إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ

بیشک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دینِ اسلام

سید قطب شہیدؒ

اسلامی اکادمی

اردو بازار ، لاہور

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

دینِ اسلام

تصنیف

سیّد قطب شہیدؒ

ترجمہ

مولانا ساجد الرحمٰن صدیقی ایم اے

ناشر

اسلامی اکادمی، اردو بازار لاہور (پاکستان)

لوگ سرمایہ داری کی آمریت سے نکلے

اور مزدوروں کی آمریت میں آپھنسے ——!

ایک طاغوت سے نجات ملی ——

دوسرے طاغوت نے آدبوچا! ——

اور دونوں صورتوں میں لوگ اللہ کے راستے

سے روگرداں رہے ——

—— محمد قطب ——

نام کتاب ...... (ھٰذا الدین) اردو ترجمہ دینِ اسلام

تصنیف ...... سید قطب شہیدؒ

ترجمہ ...... مولانا ساجد الرحمٰن صدیقی ایم۔اے

طابع ...... ابو مومن

مطبع ...... زاھد بشیر پرنٹرز لاہور

تاریخ اشاعت ...... شعبان المعظم ۱۴۰۱ھ بمطابق ۱۹۸۱ء

قیمت ۶ چھ روپے

فہرست

— اِسلامی کتابوں کے ملنے کا پتہ —

اسلامی اکادمی — اردو بازار — لاہور

عرضِ ناشر

"اِسلامی اکادمی" کو سارے ملک میں یہ امتیاز حاصل ہوا ہے کہ یہ ادارہ مفکرِ اسلام سید قطب شہیدؒ کی مایۂ ناز تفسیر فی ظلال القرآن کا اُردو ترجمہ پیش کر رہا ہے۔

اب تک "تفسیر فی ظلال القرآن" کے چار پارے اُردو ترجمے کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں پانچواں پارہ زیرِ طبع ہے۔

اس وقت اسلامی اکادمی کی جانب سے شہید اسلام کی کتاب هٰذا الدین کا اُردو ترجمہ "دین اسلام" کے نام سے پیشِ خدمت ہے۔ سید قطب شہیدؒ کی ذات تعارف کی محتاج نہیں، سیدؒ صاحب کی تحریر میں تحریکِ اِسلامی کی تڑپ اور قرونِ اولیٰ کی جھلک نظر آتی ہے۔

کتاب "دینِ اسلام" میں فاضل مصنف نے اسلام کا مختصر تعارف پیش کیا ہے اس کا مطالعہ سب کے لئے یکساں مفید ہے آپ خود اس کا مطالعہ فرمادیں اور دوسروں کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دیں۔

آخر میں اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں مزید توفیق بخشے کہ ہم احیائے دین کے لئے زیادہ سے زیادہ کام کرسکیں آمین ثم آمین

آپ کی دُعاؤں کا طالب: ابو مومن — ۲۲ رجب المرجب ۱۴۰۱ھ

مُصنّف کا اجمالی تعارف

سالہا در کعبہ و بُت خانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

مفکرِ اسلام سید قطب شہیدؒ ۱۹۰۶ء میں مصر کے ایک گاؤں (موشا) میں پیدا ہوئے۔ حفظِ قرآن کے بعد اسکول میں تعلیم حاصل کی اور دارالعلوم قاہرہ میں داخل ہو گئے۔ یہاں سے ۱۹۳۳ء میں بی اے کیا اور انسپکٹر آف اسکولز متعین ہو گئے۔ ۱۹۴۹ء میں نظامِ تعلیم کے مطالعہ کے لئے امریکہ گئے۔ وہاں سے ۱۹۵۱ء میں واپسی ہوئی۔

امریکہ اور یورپ کے دیگر ممالک کی زندگی کا قریب سے جائزہ لینے کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ مغربی تہذیب بانجھ ہو چکی ہے اور اب اسلام ہی انسانیت کے تمام دکھوں کا مداوا ہے، چنانچہ امریکہ سے واپس آکر آپ نے اپنا قلم خدمتِ اسلام کے لئے وقف کر دیا۔

۱۹۵۴ء میں آپ دعوتِ حق کے جرم میں گرفتار کر لئے گئے۔ اور مسلسل دس سال تک انتہائی صبر و استقامت سے جیل کی تعذیبات سہتے رہے۔ اگست ۱۹۶۴ء میں رہا ہو کر اگست ۱۹۶۵ء میں دوبارہ قید ہو گئے اور ۲۹ اگست ۱۹۶۶ء کی ایک خوں آشام صبح کو یہ مردِ مومن — اس جرم میں کہ ایک خدا کی بندگی کی جانب لوگوں کو بلاتا تھا — تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا۔

فَاِنَّا لِلّٰہِ وَ اِلَیْہِ الْمُشْتَکیٰ !

اِسلام — ضابطۂ حیات

"اسلام کا اپنا ایک مخصوص انداز ہے۔ اور انسانیت سے برتاؤ کا اپنا ایک اسلوب اور ایک ڈھنگ ہے۔" — اس سادہ سی حقیقت کو لوگ یا تو فراموش کر دیتے ہیں، یا نظر انداز کر جاتے ہیں، مگر اس ذہنیت اور سادہ سی حقیقت کے مدِّنظر نہ رہنے سے خود "اسلام" کی حقیقت کو سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات لوگ یہ خیال کرنے لگتے ہیں، کہ چونکہ یہ دینِ اسلام اللہ کا نازل کردہ ہے۔ اس لئے اس کا ظہور بغیر کسی مشقت کے معجزاتی طور پر ہو جانا چاہیئے۔ اور اسلام کے برپا ہونے اور نشوونما پانے میں انسانی فطرت لوگوں کی صلاحیت اور ان کی واقعاتی زندگی (ACTUAL LIFE) کو قطعاً آڑے نہ آنا چاہیئے۔

پھر جب یہ لوگ دیکھتے ہیں کہ اسلام اس طرح معجزاتی طور پر برپا نہیں ہوتا بلکہ انسان کی محدود صلاحیتوں اور اس کی واقعاتی زندگی کو اسلام کے برپا ہونے میں بہت زیادہ دخل ہے — اس قدر دخل ہے کہ بسا اوقات یہ امور اسلام کے راستے میں سنگین رکاوٹ بن جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ لوگ اسلام کی پکار پر لبیک کہنے کی بجائے اپنے ہی مسائلِ زندگی، اور دنیوی مفادات میں اُلجھ کر رہ جاتے ہیں — یہ سب کچھ دیکھ کر یہ لوگ کچھ مایوس سے ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے اس یقینِ کامل میں کمی آجاتی ہے۔ کہ اسلام ہی انسانیت کے

لئے ایک مکمل ضابطۂ حیات اور قانونِ زندگی ہے۔

ذہن میں سوچ کی یہ تمام غلط لہریں صرف اس نقطے سے اُبھرتی ہیں کہ درحقیقت لوگ اسلام کے مزاج اور اس کے طریقہ کار سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اس لئے لوگوں کو اس حقیقت سے واقف کرانا ناگزیر ہے۔

جدوجہد کی ضرورت

اسلام بے شک انسانیت کے لئے اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ ضابطۂ حیات اور قانونِ زندگی ہے۔ مگر یہ برپا اسی وقت ہوا کرتا ہے۔ جب لوگ اپنی فطری صلاحیتوں، اور اپنی واقعاتی زندگی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے لئے جدوجہد کرتے ہیں، اور اس کے بروئے کار لانے کی خاطر اپنے تن۔ من۔ دھن تک کی بازی لگا دیتے ہیں۔

پھر جب اسلام برپا ہو جاتا ہے۔ تو وہ خود معاشرے کو اس کی طبعی حدود میں لے کر آگے بڑھتا ہے۔ اور جس قدر اس کے ماننے والے اس کے فروغ کے لئے جدوجہد کرتے ہیں، اسی قدر وہ ترقی کرتا جاتا ہے۔

اسلام کسی بھی مرحلے پر انسان کی فطری طاقت اور اس کی واقعاتی زندگی کو فراموش نہیں کرتا۔ بلکہ اپنی حدود میں رہتے ہوئے۔ انسانیت کو ارتقاء اور ارتفاع کے اس قدر بلند مقام پر لے جاتا ہے۔ جس کا تصور بھی کسی دوسرے نظام زندگی میں نہیں ہو سکتا۔

اب اگر اسلام کے اس مزاج کو نہ سمجھا جائے۔ اور ایسے معجزوں کے انتظار میں بیٹھ رہا جائے، جو یکایک فطرت انسانی کو بدل کر رکھ دیں، اور

اس طرح بغیر کچھ کئے دھرے ہی اسلام برپا ہو جائے — کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اس لئے اسلام کو انسانی طاقت کے دائرے میں محدود نہ رہنا چاہیئے۔ نہ ہی انسانی کمزوری کا اثر اسلام پر پڑنا چاہیئے۔ بلکہ اسلام کو ہر وقت غالب آنا چاہیئے۔ اور باطل کو ہمیشہ مغلوب ہونا چاہیئے!!

یہ تمام افکار فی الحقیقت اسلام کے مزاج اور اس کے طریقہ، کار کو نہ سمجھنے کی بناء پر پیدا ہوتے ہیں۔

منشاءِ الٰہی

بے شک اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہیں کہ انسان کی فطرت ہی بدل ڈالیں، مگر انہوں نے اپنی کسی حکمت کی بناء پر فطرتِ انسانی کی اسی طر[illegible]ق فرمائی ہے۔ اور وہ چاہتے ہیں کہ اسلام خود انسانی کوششوں سے برپا ہو۔ اور ہدایت کوشش و جدوجہد کے نتیجے میں میسر آئے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

اور جو لوگ ہمارے راستے میں جہاد کرتے ہیں ہم انہیں اپنے راستے کی ہدایت کرتے ہیں

اسی خدا نے یہ اصول بھی متعین فرما دیا ہے۔ کہ انسانی فطرت مسلسل اور پیہم بروئے کار رہے، اور اس میں کوئی تعطل اور انقطاع نہ ہو:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا (شمس - ۷-۱۰)

اور قسم ہے انسانی نفس کی، اور جس نے اسے درست کیا، پھر اُسے

بدکرداری اور پرہیزگاری کا الہام کیا۔ یقیناً وہ کامیاب ہُوا جس نے اُسے پاک کر لیا، اور وہ ناکام ہُوا جس نے اُسے گندہ کر دیا

اللہ تعالیٰ ہی کی یہ مرضی ہے۔ کہ خدا کا بتایا ہُوا ضابطۂ حیات خُود انسان کی اپنی کوششوں اور اس کی اپنی صلاحیتوں کے دائرے میں رہتے ہُوئے بروئے کار آنا چاہیئے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ

اللہ تعالٰے اس وقت تک کسی قوم کی حالت میں تغیر نہیں فرماتا۔ جب تک وہ اپنی ذات میں خود تبدیلی نہ کریں۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالٰے بعضے آدمیوں کو بعضوں کے ذریعے دفع کرتے رہا کرتے ہیں تو سرزمین فساد سے پُر ہو جاتی۔ (بقرہ ۲۵۱)

اور اللہ تعالٰے ہی یہ بھی چاہتے ہیں کہ انسان جس قدر اس نظامِ حیات کو بروئے کار لانے کے لئے جدوجہد کرے۔ جس قدر وہ اس راہ میں تکلیفیں اُٹھائے اور جس قدر اپنی زندگی میں رچے بسے بگاڑ کو اکھاڑ پھینکنے کے لئے کوششیں کرے اسی قدر اسے کامیابی بھی حاصل ہو۔

أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ
وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا
وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ۔

کیا ان لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے۔ کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جاویں گے

کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا، اور ہم تو ان کو بھی آزما چکے ہیں جو ان سے پہلے مُسلمان ہو گزرے ہیں، سو اللہ تعالٰے ان لوگوں کو جان کر رہیگا جو سچے تھے۔ اور جھُوٹوں کو بھی جان کر رہے گا (عنکبوت۔ ۱-۳)

اِس موقع پر یہ سوال بالکل نا روا ہے۔ کہ اللہ تعالٰے کی منشاء اس طرح کیوں ہے؟ کیونکہ اِس سوال کا جواب دینے کے لئے نہ کسی مخلوق کو علمِ الٰہی حاصل ہے۔ اور نہ کوئی انسان، کائنات اور نظامِ طبیعت سے مکمل طور پر واقف ہے۔

اس موقع پر "کیوں"؟ کا سوال نہ تو کوئی پکا سچا مومن کرسکتا ہے اور نہ ہی کوئی ٹھیٹ ملحد!

مومن اس لئے نہیں کرسکتا کہ وہ اللہ کی ذات اور صفات سے بخوبی واقف ہے۔ اور ملحد اس لئے نہیں کرسکتا، کہ وہ سرے سے اللہ کے وجود ہی کا منکر ہے۔ اگر وہ خدا کے وجود کا معترف ہو جائے۔ تو اس امر کا بھی اقرار کرنے پر مجبور ہوگا، کہ اللہ تعالیٰ ہی باخبر اور ہر بات کا جاننے والا ہے۔ اس کی جناب میں چُون وچرا کی گنجائش نہیں ہے۔

ہاں۔ البتہ۔ خدا کی صفات سے ناواقف شخص یہ سوال کرسکتا ہے، تو اس کے جواب میں اسے صفاتِ خداوندی سے روشناس کرانا چاہیئے۔

کہنے کا منشاء یہ ہے۔ کہ کوئی شخص یہ سوال نہیں کرسکتا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس فطرت پر کیوں پیدا فرمایا ہے؟ انسان کی فطرت مسلسل اور پیہم کیوں بروئے کار رہتی ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کیوں چاہتا ہے، کہ خود اس کا

نازل کردہ قانون انسانی کوششوں سے نافذ اور جاری ہو، انسانی کوششوں سے اسلامی معاشرہ نشو و نما پائے ——— اور خود اسلام انسان کی واقعاتی زندگی سے ہم آہنگ رہے؟ ——— اس قسم کے بے سر و پا سوالات کے بجائے لوگوں کو چاہیے، کہ وہ حقائق معلوم کریں، اور ان حقائق کی روشنی میں تاریخی واقعات کا جائزہ لیتے چلے جائیں، تو انہیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ حقائق کس طرح تاریخ کے دھارے کے ساتھ رواں دواں ہیں ——— اور انہیں اللہ تعالےٰ کی قدرت اور حکمت پر بھی اطمینان حاصل ہو جائے گا۔

تحریکِ اسلامی

اسلام دُنیا میں صرف اس وجہ سے برپا نہیں ہو سکتا کہ یہ اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم ہے۔ نہ صرف لوگوں کو اسلام کی دعوت پہنچا دینا اور تبلیغ کر دینا کافی ہے۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی یہ منشاء ہے، کہ وہ کلمۂ کن سے اسلام کو نافذ فرمائیں۔

اسلام تو جب بھی کسی معاشرے میں برپا ہُوا کرتا ہے۔ اس کی ہمیشہ ایک ہی صُورت ہوتی ہے۔ کہ کچھ سچے مومنوں کی ایک جماعت اسے لے کر اُٹھ کھڑی ہو۔ اور اپنی طاقت کے بقدر اس پر قائم رہے۔ اور دُوسرے لوگوں کے نفوس میں یہ حقیقت جاگزیں کرنے کے لئے جد و جہد کرتی رہے، انسانی کمزوری اور ہوائے نفس کے خلاف مصرُوفِ جہاد رہے۔ جو نفس کے بندے بن کر اسلام کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ بالآخر یہ جماعت اس ضابطۂ زندگی کو لوگوں کی فطرت اور ان کی واقعاتی زندگی کے مطابق نافذ کر دے۔

اس کشمکش حق و باطل میں کبھی مومن جماعت کامیاب بھی ہو جاتی ہے اور کبھی ناکام بھی ہو جاتی ہے۔ اور دونوں صُورتوں میں دار و مدار اس بات پر ہوتا ہے۔ کہ تحریکی جد و جہد کی کیا نوعیت تھی، اور تحریک نے حالات کے مطابق کس قسم کے وسائل اختیار کئے۔؟

جنگِ اُحد ——— تحریک کے لئے ایک سبق

یہی اسلام کا مزاج اور اس کا طریقۂ کار ہے۔ یہی اس کی تحریکی روش ہے۔ اور یہی اس کے برپا ہونے کا ذریعہ ہے۔ اور اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے تحریکِ اسلامی کے نام سے ذہن نشین کرایا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ
وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ
الْأَرْضُ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی قوم کی حالت میں تغیر نہیں فرماتا، جب تک وُہ اپنی ذات میں خود تبدیلی نہ کریں، اور اگر یہ بات نہ ہوتی، کہ اللہ تعالیٰ بعض آدمیوں کو بعضوں کے ذریعے دفع کرتے رہا کرتے ہیں، تو سرزمین فساد سے پُر ہو جاتی۔ اور جو لوگ ہمارے راستے میں جہاد کرتے ہیں، ہم ان کو اپنے راستے کی ھدایت کرتے ہیں۔

یہی حقیقت اللہ تعالیٰ نے اسلامی جماعت کو غزوۂ اُحد میں بھی یاد دلائی تھی۔ جب اسلامی جنگ کے ایک موقع پر اسے فراموش کر دیا گیا تھا، اور اس

موقع پر مناسب وسائل اختیار نہیں کیے گئے تھے۔ بلکہ یہ خیال دل میں آگیا تھا کہ مسلمان ہونا ہی نصرت و کامیابی کی دلیل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا:۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ (آل عمران ۱۶۵)

اور جب تمہاری ایسی ہار ہوئی جس سے دوگُنے تم جیت چکے تھے۔ تو کیا تم ایسے وقت میں یوں کہتے ہو، کہ یہ کدھر سے ہوئی، آپ فرما دیجیے کہ یہ ہار خاص تمہاری طرف سے ہوئی؛

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ (آل عمران ۱۵۲)

اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے تو تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا تھا جس وقت کہ تم ان کفار کو بحکم خداوندی قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ جب تم خود ہی کمزور ہو گئے۔ اور باہم حکم میں اختلاف کرنے لگے اور کہنے پر نہ چلے۔ بعد اس کے کہ تم کو تمہاری دل خواہ بات دکھلا دی گئی، تم میں بعض تو وہ تھے جو دنیا کو چاہتے تھے۔ اور بعض وہ تھے، جو آخرت کے طلبگار تھے۔ اس لیے اللہ تعالےٰ نے آئندہ کے لیے اپنی نصرت کو بند کر لیا، اور تم کو ان کفار سے ہٹا دیا، تاکہ خدا تعالیٰ تمہاری آزمائش فرماوے۔

جنگ اُحد میں اسلامی جماعت کو اس حقیقت کا ادراک بڑی قربانیاں دے کر ہُوا تھا۔ فتح کے بعد شکست نصیب ہُوئی۔ غنیمت کے بعد نقصان اُٹھانا پڑا۔ حضرت حمزہؓ شہید ہُوئے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک زخمی ہُوا۔ آپ کے دانت شہید ہُوئے۔ اور آپؐ کفار کے کھودے ہوئے گڑھے میں گر پڑے۔ اور کفار نے چاروں طرف سے آپ کو گھیر لیا۔ اور ایک ابودجانہؓ تیر پہ تیر کھاتے رہے اور آپ کی حفاظت کرتے رہے یہاں تک کہ مسلمان آپؐ کے پاس جمع ہو گئے۔

لذتِ ایمانی کا شعور

قانونِ الٰہی (اسلام) انسانی کوششوں سے بروئے کار آکر انسانی نفوس اور انسانی زندگی کی اصلاح کرتا اور اسے سنوارتا ہے۔ کیونکہ حقیقت ایمانی کسی نفس میں اُس وقت تک جاگزیں ہو ہی نہیں سکتی۔ جب تک وُہ اس ایمان کے لیے جدوجہد نہ کرے۔ جب تک انسانی قلب باطل اور جاہلیت کو بُرا سمجھنے اور لوگوں کو اس سے نکالنے کے لیے جہاد نہ کرے۔ اور جب تک مومن زبان سے اور عمل سے اسلام کو قوت نہ پہنچائے، اور طاغوتی قوتوں کے خلاف سرکف ہو جائے۔ پھر اس جہاد میں تکلیفیں اور مصیبتیں سہے۔ اور کامیابی اور ناکامی ہر صورت میں صبر کرے۔ اس کے بعد اسلام کے راستے پر نہایت ثابت قدمی سے گامزن ہو جائے۔ اور کسی طرف متوجہ نہ ہو۔

جب تک مومن، ایمان کی خاطر جہاد نہیں کرتا، اس پر حقیقت ایمانی

منکشف ہی نہیں ہوتی۔ اسے لذتِ ایمانی کا شعور ہی حاصل نہیں ہوتا، اور بغیر جہاد کے اسلام اس کی عادات، تصورات اور اس کی طبیعت میں رچتا بستا ہی نہیں ہے۔

اسلام کے راستے میں جب تک محنتیں نہ کی جائیں۔ تکلیفیں نہ سہی جائیں نفس کی حالت ٹھیک نہیں رہ سکتی۔ بلکہ نفس میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ رُوح گندی ہو جاتی ہے۔ اور ساری حیات انسانی متعفن ہو کر رہ جاتی ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسی فطرت کے مطابق تخلیق فرمایا ہے، اور اس فطرت کی اصلاح کا یہ طریقہ متعین فرمایا ہے کہ انسان اللہ کے بتائے ہوئے ضابطۂ زندگی کو تسلیم کرکے اس کے لئے جدوجہد کرتا رہے۔

اِس جہادِ پیہم اور ابتلاءِ مسلسل کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ تحریکِ اسلامی بے کار، ڈرپوک، فریبی اور منافق لوگوں سے پاک ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اسی حقیقت کو اِسلامی جماعت کے ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں۔ اور یہی حقیقت جنگِ اُحد میں اللہ تعالیٰ نے مُسلمانوں پر واضح فرمائی۔ چنانچہ جب عالمِ حیرت میں پکار اُٹھے۔ "یہ سب کیونکر ہو گیا؟" تو جواب دیا گیا کہ "یہ سب تمہارے نفوس کے عمل کا نتیجہ ہے"

پھر کہا گیا:-

وَمَا اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور جو مصیبت تم پر پڑی ہے، جس روز کہ وُہ دونوں گروہ باہم مقابل ہوئے خدا تعالیٰ کی مشیت سے اور تاکہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کو بھی دیکھ لیں۔ (آل عمران ۱۲۶)

مَاكَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ۔

اللہ تعالیٰ مُسلمانوں کو اس حالت پر رکھنا نہیں چاہتے جس پر تم اب ہو جب تک کہ ناپاک کو پاک سے جُدا نہ فرمائیں۔ (آل عمران- ۱۷۹)

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ۔

اور تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لیویں۔ اور تم سے بعض کو شہید بنانا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتے۔ اور تاکہ میل کچیل سے صاف کردے ایمان والوں کو اور مٹادے کافروں کو۔

(آلِ عمران ۱۴۰- ۱۴۱)

اِن تمام آیات سے اللہ تعالیٰ مُسلمانوں کے احساس میں یہ امر جاگزیں فرما دینا چاہتے ہیں۔ کہ غزوہ اُحد میں جو حالات پیش آئے۔ وُہ صرف اس وجہ سے پیش آئے۔ کہ تم سے حقیقتِ ایمان کی بجا آوری میں کوتاہی ہوئی لیکن اس کا انجام اللہ تعالیٰ نے بہتر فرمایا۔ اور تمہاری تقصیرات کو معاف فرما دیا۔ اور اس طرح تمہاری جماعت میں اچھے اور بُروں کا امتیاز قائم ہو گیا۔ اور تمہاری جماعت منافقین سے پاک ہو گئی۔

آخر میں یہ بتلا دینا انتہائی ضروری ہے۔ کہ الٰہی قانون کے انسان کی کوششوں سے اور اس کی واقعاتی زندگی کے مطابق بروئے کار آنے کا

یہ مطلب نہیں ہے کہ اس معاملہ میں اللہ کی قدرت اور اس کی تدبیر، اس کی مدد اور اس کی توفیق کی کوئی حاجت نہیں ہے ـــــ کیونکہ خدا کی تقدیر اور اس کی مدد کے بغیر کسی کام کا ہونا، اسلامی تصور کے بالکل خلاف ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔

اور جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ ہم انہیں اپنے راستے کی ہدایت دے دیتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

اللہ تعالےٰ اس وقت تک کسی قوم کی حالت میں تغیر نہیں فرماتا۔ جب تک وہ اپنی ذات میں خود تبدیلی نہ کریں۔

یہ دونوں آیات انسانی کوششوں اور اللہ کی مدد میں تعلق اور ربط کو واضح کرتی ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے۔ کہ اللہ کا ارادہ ہی ہر کام کا حقیقی سبب ہے۔ مگر ارادۂ الٰہی اس شخص کی مدد بھی کرتا ہے۔ جو اس سے مدد چاہے اور جو اس کی رضا کی خاطر جہاد کرے۔

اصل میں تو اللہ کی تقدیر تمام انسانوں اور تمام واقعات کو محیط ہے۔ اسی کی تقدیر کے مطابق ہر ابتلاء اور آزمائش ہے۔ اور اسی کی تقدیر کے مطابق کامیابی و کامرانی ہے۔

اس حقیقت کو بیان فرما کر بعد میں اللہ تعالیٰ نے اسباب فتح و شکست بیان فرمائے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ
بِاِذْنِهٖ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ
مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا
وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ (آل عمران ۱۵۲)

اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے تو تم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا تھا، جس وقت کہ تم ان کفار کو بحکم خداوندی قتل کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب تم خود ہی کمزور ہو گئے۔ اور باہم حکم میں اختلاف کرنے لگے، اور تم کہنے پر نہ چلے۔ بعد اس کے کہ تم کو تمہاری دل خواہ بات دکھلا دی گئی، تم میں سے بعض دنیا کو چاہتے تھے، اور بعض وہ تھے جو آخرت کے طلبگار تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے لئے اپنی نصرت کو بند کر لیا۔ اور پھر تم کو ان کفار سے ہٹا دیا، تاکہ خدا تعالےٰ تمہاری آزمائش فرماوے۔

اور آخر میں اپنی مشیت ہی کو اصل سبب قرار دیا۔

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ
مِّثْلُهٗ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَ
لِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاۗءَ
وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ۔ (آل عمران ۱۴۰ - ۱۴۱)

اگر تم کو زخم پہنچ جاوے، تو اس قوم کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے۔ اور ہم ان ایام کو ان لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہا کرتے ہیں، اور تاکہ

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لیویں۔ اور تم میں سے بعض کو شہید بنانا تھا اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتے۔ اور تاکہ میل کچیل سے صاف کر دے۔ اور مٹا دیوے کافروں کو۔

اصل بات یہ ہے۔ کہ جب تک نفس میں یہ حقیقت مرتکز نہ ہو جاوے کہ تمام واقعات و حادثات کے پسِ پشت اللہ تعالیٰ کی تدبیر اس کی مشیت اور اس کی تقدیر ہی کار فرما ہے۔ ایمان کی تکمیل نہیں ہو سکتی

اسلام — بے مثال اسلوبِ زندگی

گزشتہ بحث کے بعد یہ سوال اُٹھتا ہے کہ اگر اسلام، انسانی کوششوں سے اور انسانی زندگی کی واقعاتی حدود میں رہتے ہوئے برپا ہوتا ہے تو پھر اسلام میں، اور انسان کے بنائے ہوئے دیگر قوانینِ زندگی میں وجہ امتیاز کیا ہے۔ کیونکہ زندگی کا ہر ضابطہ ہی انسانی کوششوں سے اور خود اس کی واقعاتی زندگی کی حدود میں رواج پایا کرتا ہے۔ اور جب اسلام میں بھی کوئی بات معجزاتی طور پر اور آسمانی طریقے پر رونما نہیں ہوتی، تو پھر ہم اسی بات پر کیوں مجبور ہیں۔ کہ ہم اپنی زندگیوں میں اسلام ہی برپا کریں، اور اسلام ہی کو اپنی سماجی زندگی میں رواج دیں؟

لا الٰہ کا اقرار

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سب سے پہلے تو ہم اسلام کو برپا کرنے اور اپنی سماجی زندگی میں رواج دینے پر اس لئے مجبور ہیں کہ ہم گواہی دے چکے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اس گواہی کا واضح مفہوم یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خدائی میں یکتا و یگانہ ہے۔ کوئی مخلوق اس کی خدائی۔ یا خدائی کے کسی وصف میں شریک نہیں اور خدائی کا اوّلین وصف یہ ہے۔ کہ وہ حاکمِ مطلق ہے۔ اور اسے حق حاصل ہے کہ وہ اپنے بندوں کے لئے قانون بنائے۔ ان کی زندگی کا ضابطہ متعین کرے اور وہ اصول و اقدار وضع فرماوے۔ جس کے مطابق اُس کے بندوں کو زندگی گزارنا ہے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ۔ کی گواہی اس وقت تک کوئی معنی نہیں رکھتی جب تک گواہی دینے والا اس امر کا اعتراف نہ کرے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہی کو انسانیت کے لئے ضابطۂ زندگی متعین کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اب اگر کوئی شخص کسی دوسرے انسان یا انسانوں کی ایک جماعت کو یہ حق دیتا ہے۔ کہ وہ انسانوں کے کسی معاشرے کے لئے قانون بناتے۔ تو وہ در اصل اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم صفت خدائی اس انسان کی جانب منسوب کر کے اس انسان کو یا انسانوں کی اس جماعت کو اپنا "اللہ" مان لیتا ہے۔

اور محمد رسول اللہ کے معنی یہ ہیں۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قانون انسانوں تک یہ کہہ کر پہنچایا ہے کہ یہ اللہ کا قانون ہے۔ یہ بے شک اللہ

تعالیٰ کا بھیجا ہوا قانون ہے اور اس کو اپنی سماجی زندگی میں برپا کرنا ہم پر فرض ہے۔

انسانی آزادی اور مساوات

ہمیں اسلام کو برپا کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ اسلام ہی وہ واحد قانون ہے جو انسانیت کو شرف وکرامت سے نوازتا ہے۔ اور اسے حریت کاملہ عطا کرتا ہے۔ اسلام انسان کی بندگی سے آزادی دلا کر اور ہر غلامی سے آزاد کرا کر اللہ کی بندگی اور اللہ کی غلامی میں دے دیتا ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ یکتا و یگانہ ہے۔ اور اسی کو حق حاصل ہے۔ کہ وہ انسانیت کے لئے قانون بنائے۔ اس لئے اس نے انسانوں کے لئے قانون بنا دیا ہے۔ کہ تمام انسانوں کا ایک ہی الٰہ ہے اور ایک ہی مالک و آقا ہے سب اس کے بندے ہیں۔ کوئی کسی کا اَن داتا نہیں۔ کوئی کسی کا قانون ساز نہیں، کوئی کسی کا سردار و آقا نہیں۔ بس ایک ہی عظیم بادشاہت ہے جس میں سب انسان برابر ہیں۔ اور یہ بادشاہت اللہ تعالیٰ کی ہے۔

یہی وجہ ہے۔ کہ جس قدر بھی انبیاء آئے۔ انہوں نے سب سے پہلے یہی بات کہی کہ خدا ایک ہے۔ اور خدا کے سوا کسی کو حق قانون سازی اور حق بندگی حاصل نہیں ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۔

انہوں نے اپنے احبار اور رہبان کو اللہ کو چھوڑ کر خدا بنا لیا ہے۔ اور مسیح بن مریم کو بھی، حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا، کہ وہ ایک خدا کی عبادت کریں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جن چیزوں کے ساتھ وہ اسے شریک کرتے ہیں۔ وہ ان سب سے پاک ہے۔

یہود و نصاریٰ اپنے احبار اور رہبان کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے بلکہ انہوں نے احبار اور رہبان کا حق قانون سازی مان لیا تھا، کہ جس کام کو انہوں نے جائز کر دیا، وہ جائز ہو گیا۔ اور جس کو ناجائز قرار دیا وہ ناجائز ہو گیا۔ جس پر خدا نے فرمایا کہ انہوں نے تو اپنے احبار اور رہبان کو خدا ہی بنا لیا۔ اور یہ تو مشرک ہو گئے۔

امام احمد، ترمذی اور ابن جریر، عدی بن حاتم کی زبانی روایت کرتے ہیں، کہ عدی اسلام سے پہلے نصرانی ہو گئے تھے۔ اسلام کے بعد جب انہیں رسول اللہؐ نے طلب فرمایا۔ تو شام بھاگ گئے۔ بعد میں ان کی بہن اور خاندان کے کچھ لوگ قید ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ تو آپؐ نے عدی کی بہن کو آزاد فرمایا، وہ بھائی کے پاس پہنچی اور انہیں آمادۂ اسلام کیا۔ چنانچہ عدی مدینہ آئے —— قوم طیؔ کے سردار تھے۔ حاتم طائی مشہور سخی آپ کے والد تھے —— جب مدینہ پہنچے تو گردن میں سونے کی

صلیب تھی۔ اور یہ آیت پڑھ رہے تھے۔

(اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ)

پھر آیت پڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، کہ یہود و نصاریٰ اپنے احبار اور رہبان کی عبادت تو نہیں کیا کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں کرتے تھے۔ ان کے احبار اور رہبان نے جائز کو ناجائز اور ناجائز کو جائز قرار دیا۔ اور یہود و نصاریٰ نے ان کی اتباع کی، یہی ان کی عبادت ہے۔

اسلام صرف اللہ تعالیٰ کو عبادت اور قانون سازی کا حق دیتا ہے۔ اور انسانوں کو اللہ کی بندگی کے سوا ہر بندگی سے آزاد کرتا ہے۔ اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اسی قانون کو اپنی سماجی زندگی میں برپا کریں۔

منفرد طریقہ زندگی

اسلام کو اس لئے بھی بروئے کار آنا چاہئے کہ یہ ایک یکتا و یگانہ اور منفرد طریقہ زندگی ہے۔ جو انسانی خواہشات اور انسانی کمزوریوں سے بالکل پاک ہے اس میں انسان کی دنیاوی فائدے کی محبت بھی اثر انداز نہیں ہے۔ اور اس میں یہ بھی نہیں کہ قانون ساز اپنے خاندان، اپنی قوم اور اپنی نسل کے فائدے کے لئے کوئی قانون بنا دے۔

اسلام میں قانون ساز اللہ تعالیٰ ہے۔ جو تمام انسانوں کا پروردگار

ہے۔ اور کسی طبقے، کسی قوم اور کسی نسل کا طرفدار نہیں ہے۔ بلکہ اس کی نظر میں تمام انسان برابر ہیں۔

قانون ساز کوئی حاکم وقت ہو۔ کوئی خاندان ہو۔ کوئی طبقہ ہو۔ کوئی قوم ہو اور کوئی نسل ہو ــــ جب بھی قانون بنائے گا، وہ قانون سازی مصلحتوں کا ضرور رہینِ منت ہوگا۔ کیونکہ یہ انسان کی طبیعت کا خاصہ ہے۔ کہ وہ اپنے مفاد کو ملحوظ رکھتا ہے۔

مگر جب اللہ کا بنایا ہوا قانون زندگی، انسانی معاشرے میں نافذ ہوتا ہے تو مکمل اور حقیقی عدل وجود میں آجاتا ہے۔ جس عدل سے دنیا کے سارے نظام تہی داماں ہوتے ہیں۔ کیونکہ کوئی بھی انسانی نظام، انسانی کمزوریوں، خواہشاتِ نفس اور ذاتی مصلحتوں سے خالی نہیں ہو سکتا، مکمل اور جامع عدل کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۚ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (مائدہ ۸)

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے لئے پوری پابندی کرنے والے انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنے والے رہو، اور کسی خاص لوگوں کی عداوت تم کو اس پر باعث نہ ہو جائے۔ کہ تم عدل نہ کرو عدل کیا کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب

اعمال کی پوری اطلاع ہے۔"

یہ فرمانِ خداوندی دیکھ کر کسی کے ذہن میں یہ خیال اُبھر سکتا ہے کہ اس امر کی کیا ضمانت ہے کہ اسلامی جماعت وہی عدل قائم کرے گی جس کی نشان دہی اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سارے اسلامی نظام ہی کی ضمانت خود مومن کے اپنے ضمیر میں جاگزیں ہے۔ اور یہ ضمانت خود اس کے اپنے ایمان سے پیدا ہوتی ہے۔ گویا اسلام پر ایمان لانا ہی سب سے بڑی ضمانت ہے۔ مسلمانوں کو ان کا دین ہی یہ بات سمجھا دیتا ہے کہ ان کے وجود، ان کی نصرت، اور ان کی زمین میں استقامت اس امر پر موقوف ہے۔ کہ وہ اسلام پر چلتے رہیں، ورنہ وہ زوال، شکست اور ذلت سے دوچار ہو جائیں گے۔

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۔ (حج ۴۰ - ۴۱)

"بے شک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا۔ جو اس کے دین کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا اور غلبہ والا ہے۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم انہیں دنیا میں حکومت دے دیں۔ تو یہ لوگ نماز قائم کریں۔ زکوٰۃ دیں، نیک کاموں کا حکم کریں، اور بُرے کاموں سے روکیں، اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے۔"

اسلامی جماعت کا وجود ہی خود اس امر کی ضمانت ہے کہ اسلام کا عدل نافذ ہو کر رہے گا۔ کیونکہ اسلامی جماعت اسی عقیدے پر قائم ہے اسی لئے ہم پر لازم ہے کہ ہم اسلامی نظام برپا کر کے مکمل اور جامع عدل وجود میں لائیں۔ تاکہ انسانیت سُکھ کا سانس لے۔

قانون ساز صرف اللہ ہے

ہم پر اسلامی نظام برپا کرنا اس لئے بھی لازم ہے کہ یہی ایک ایسا نظام ہے جو انسانی جہل سے پاک ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خود انسان کا خالق ہے۔ اسے پورا پورا علم ہے کہ انسان کے لئے کیا خوب تر ہے۔ وہ انسان کی ترکیب اور تکوین کے اسرار سے واقف ہے۔ اسے معلوم ہے کہ دنیا اور کائنات کے کون کون سے امور انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ انسان کے لئے جو قانون بنائے گا، اس میں ان تمام امور کی رعایت ہوگی، جن کی رعایت رکھنا انسان کے لئے قطعاً محال ہے۔ کیونکہ انسان تمام انسانیت کی ماضی اور مستقبل کی زندگی کو سامنے نہیں رکھ سکتا، اور نہ ہی وہ کائنات کے تمام مخفی رازوں سے واقف ہو سکتا ہے۔ کیونکہ انسانی عقل محدود اور اس کا ادراک مختصر ہے۔ اس لئے وہ انسانیت کے لئے کوئی جامع قانون نہیں بنا سکتا۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ

اور اگر حق ان کی خواہشات کی پیروی کرے، تو زمین اور آسمان فساد

سے بھر جائیں۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَ الَّذِيْنَ

پھر ہم نے آپ کو شریعت پر کر دیا۔ اب آپ اس کی اتباع کیجئے۔ اور نادان لوگوں کی خواہشات کی اتباع نہ کیجئے۔؟

حقیقت بھی یہی ہے، کہ اِنسان کو اس قدر مطلق اور کامل علم حاصل نہیں ہو سکتا، کہ وہ انسانیت کے لئے قانون بنائے۔ کیونکہ یہ کام اس کی دسترس سے باہر ہے۔ علاوہ اس کے کہ وہ قانون سازی کا دعوٰی دار بن کر صفتِ خداوندی کا مدعی ہو جاتا ہے۔ جو ایک گناہِ عظیم اور انتہائی برائی ہے۔

اِنسان کا صحیح تصوّر

ہمیں اِسلامی نظام کو اس لئے بھی برپا کرنا چاہیئے کہ اِس نظام کی بنیاد کائنات کی ایک مکمل تعبیر ہے۔ اور اِس میں اِنسان کا مقام اور مقصدِ وجود متعین ہے اِس مضبوط اور یکتا بنیاد کی بناء پر ہی انسانی زندگی کا نظام طبعی اصولوں پر قائم ہوتا ہے۔ اور ایسا نظام جس کی بنیاد مضبوط اور تعبیر مکمل ہو۔ وہ طبعی اصُولوں کے مطابق بھی نہیں ہوتا۔ اور نہ زیادہ وقت قائم رہتا ہے۔ بلکہ اپنے قیام کے دوران اِنسانیت کی بدبختی کا باعث بنا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ انسانی فطرت اسے ختم کر دیتی ہے۔ اور دوبارہ اسی اصل سلیم کی جانب لوٹا دیتی ہے۔!

ضابطۂ الٰہی میں انسانیت کی جو تعبیر اختیار کی گئی۔ وہی درست ہے

کیونکہ اللہ تعالیٰ انسان کا خالق اور اس کی حقیقت وجود سے واقف ہے مگر انسانیت کے لئے انسان کی خود ساختہ ہر تعبیر نامکمل اور ناقص ہوگی کیونکہ کائنات خود انسان سے عظیم ترین ہے۔ اس لئے یہ عقلاً بھی محال ہے، کہ ایک جزء کل کی مکمل اور جامع تعبیر کرے۔ پھر یہ کہ انسان کا مقصد وجود تو بہر حال اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ اور جس شے کے مقصدِ وجود ہی کا علم نہ ہو۔ اس کی تعبیر کیا ہو سکتی ہے۔؟

ذرا عقلائے دہر کی ان عقلی کاوشوں کو دیکھئے۔ جس میں اُنہوں نے کائنات، انسان اور انسان کے مقصدِ وجود کی نشان دہی کی کوشش کی ہے۔ یہ سارا ذخیرہ سوائے مضحکہ خیز باتوں کے کوئی حقیقت نہیں رکھتا بلکہ بسا اوقات تعجب ہوتا ہے، کہ ایک عقلمند ایسی باتیں کہہ رہا ہے۔ سوائے اس کے ہم یہ سوچ لیں کہ یہ بھی بے چارا انسان ہی ہے، اور یہ تمام امور عقل انسانی سے ماوراء ہیں۔

اِن عقلائے دہر کی عقلیں ایک ایسے معاملہ میں صرف ہوئی ہیں۔ جس میں غور کرنا ان کا مقام نہ تھا۔ ان کے غور کا مقام تو یہ تھا، کہ وہ واقعاتی زندگی پر سوچتے۔ الٰہی قانون کے مطابق خلافت فی الارض کے بارے میں سوچتے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اسلام انسانی زندگی، کائنات اور اِنسان کے مقصدِ وجود کی ایسی تعبیر پیش کرتا ہے۔ جو اِنسان کے صحیح تصوّر کے مطابق اور طبیعت و فطرت سے پُوری طرح ہم آہنگ ہے۔

اس لئے ہمیں چاہیئے کہ ہم اسلامی نظام برپا کریں، تاکہ انسانی زندگی طبعی اصولوں پر استوار ہو سکے۔

کائناتی قوتیں

انسان اس کائنات رنگ و بو میں سانس لیتا ہے، اور اس عالم آب و خاک کو برتنے پر مجبور ہے۔ اس لئے اس کے لئے جو بھی نظام زندگی وضع کیا جائے۔ اس کا مطابق فطرت اور کائنات سے ہم آہنگ ہونا ضروری ہے۔ یہ خوبی صرف اسلامی نظام میں موجود ہوتی ہے۔ جبکہ انسان کے اپنے بنائے ہوئے نظاموں میں فطرت سے عدم آہنگی کی بناء پر انسان کائنات میں تنہا رہ جاتا ہے۔ اس وجہ سے بھی ہمیں اسلامی نظام برپا کرنا چاہیئے۔

حیاتِ انسانی اور کائناتی زندگی میں ہم آہنگی اور ربط انتہائی ناگزیر ہے۔ اس ربط کی وجہ سے انسان کو کائناتی قوتوں کا تعاون حاصل ہو جاتا ہے اور ان سے متصادم نہیں ہونا پڑتا۔ کیونکہ کائناتی قوتوں سے تصادم خود انسان کے لئے جان لیوا ثابت ہو سکتا ہے اور اس صورت میں انسان اس قابل نہیں رہ سکتا، کہ خلافت کے منصب کو سنبھال سکے۔

اور جب انسانی زندگی کائناتی اصولوں سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے تو انسان کو یہ قدرت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ کائنات کے اسرار و رموز سے واقف ہو کر ان سے اپنی زندگی میں فائدہ حاصل کر سکے۔

اصل میں فطرت انسانی کائناتی اصولوں سے مربوط ہے۔ اس لئے انسان اگر کائناتی اصولوں سے تصادم کی روش اختیار کرے۔ تو اس کی ذہنی فطرت شکست و ریخت سے دوچار ہو جاتی ہے۔ اور انسانیت ایک مسلسل اضطراب اور ایک لامتناہی عذاب کی گرفت میں آجاتی ہے۔ جیسا کہ آج حیرت انگیز سائنسی ترقیات اور مادی آسائشات کے باوجود انسانیت ایک اضطراب میں مبتلا ہے۔

آج کے دور میں انسانیت کیوں حیرت و اضطراب اور قلق و بدبختی میں مبتلا ہے؟ آج کا انسان کیوں نشہ آور اشیاء اور ناچ و رنگ کا رسیا ہے؟ جبکہ آج کے انسان کو ہر دور سے زیادہ مادی آسائشات میسر ہیں؟ مگر اس کے باوجود زندگی کا کھوکھلا پن روز بروز بڑھتا جا رہا ہے، زندگی کا یہ کھوکھلا پن انسان کو بھوت بن کر لپٹ گیا ہے۔ انسان جس قدر اس سے بھاگتا ہے۔ اسی قدر اس کے جنگل میں پھنسا جاتا ہے۔

ذرا ترقی یافتہ ممالک پر نظر ڈالئے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے۔ کہ یہاں سب لوگ قرار پسند ہیں۔ حالانکہ مادی آسائشات، جسمانی لذائذ اور جنسی تلذذ اندوزیاں بے حد و بے حساب ہیں۔ مگر پھر بھی لوگوں کی ایک بڑی تعداد اعصابی اور نفسیاتی اور جنسی کج روی SEXUAL PERVERSION کا شکار ہے۔ کیونکہ ان کی زندگی ہر اعلیٰ انسانی تصور سے خالی ہے۔

انسان نے طب، طبیعات اور مشینی زندگی میں زبردست ترقی کی

ہے۔ مگر اس ساری ترقی کا خود اس کی نفسیاتی زندگی کو کیا فائدہ حاصل ہُوا؟
کیا انسانیت کو کسی قسم کا امن وسکون اور اطمینان حاصل ہے؟ کچھ بھی حاصل نہیں ہُوا۔ سوائے بدبختی خوف اور اضطراب کے؟

انسانیت نے انسانی اصُولوں اور انسانی مقصدِ حیات میں کوئی ترقی نہیں کی ہے۔ اور اگر اسلام کے پیش کردہ انسانی مقصدِ حیات کو سامنے رکھ کر موازنہ کیا جائے۔ تو در حقیقت تہذیب جدید ایک لعنت ہے۔ جس نے انسان کو اسفل السافلین میں لا پھینکا ہے۔

آج کا انسان مال ودولت کا پرستار ہے۔ اور شہرت و پیداوار کی پوجا کرتا ہے۔ مگر آج کا انسان اپنے مقصدِ وجود ہی سے ناواقف ہے۔ اور اسی لئے اپنی ہی حقیقت کو گم کر بیٹھا ہے۔ ہر جاہلیت میں انسانیت کا یہی حال ہوتا ہے۔ کہ وُہ خدائے حقیقی کو چھوڑ کر دیوتاؤں کی پرستش میں لگا رہتا ہے۔

مندرجہ بالا تمام امور کو مدِّ نظر رکھتے ہُوئے ہمارے لئے یہ لازم ہے کہ ہم اللہ کے بنائے ہُوئے قانون زندگی کو نافذ کریں، تاکہ انسانیت متعدد دیوتاؤں کی پرستش چھوڑ کر ایک ہی خدا کی عبادت کرے۔ اور اپنے مقصدِ وجود کو بروئے کار لائے۔ اور اس طرح فطری اور کائناتی تقاضوں کو پُورا کرے۔

اسی حقیقت کو قرآن کریم نے ثابت کیا ہے۔ اور یہی اہل جاہلیت کے لئے دشوار امر ہے۔ کیونکہ اہلِ جاہلیت اپنی زندگی میں خود ساختہ

قوانین نافذ کر کے اللہ کے بنائے ہُوئے راستے سے بھٹک جاتے ہیں۔ اور کائناتی تقاضوں کی خلاف ورزی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۔

کیا وُہ اللہ کے دین کے سوا کوئی دین تلاش کرتے ہیں، اور اس کے لئے جُھک گیا۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے۔ اور جو کچھ زمین میں ہے۔ بخوشی یا بجبر، اور اسی کی طرف سب لوٹائے جائیں گے۔

اِسلام — آسان راستہ

آپ کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی نظام اپنی جملہ خوبیوں کے باوجود بہت ہی تھوڑے عرصہ جاری رہا۔ اور اس کے بعد انسانیت دوسرے نظام ہائے زندگی کی جانب متوجہ ہو گئی۔

ایک سطح بیں کی نظر میں یہ بات درست ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس مغالطہ کو پیش کرنے والوں نے بڑی ہشیاری سے یہ بات ذہنوں میں بٹھائی ہے کہ اسلامی نظام ناقابلِ عمل ہے۔ اور اس بلندی تک پہنچنا انسانیت کے لئے حد درجہ دشوار ہے۔

ان لوگوں نے یہ بات پھیلائی ہے۔ ان کا اس سے مقصد یہ ہے۔ کہ لوگ اس بات سے ناامید ہو جائیں، کہ کبھی اسلامی نظام برپا ہو سکتا ہے۔ اور

اور اس سلسلہ میں جو جدوجہد وہ کر رہے ہیں۔ اسے ترک کر دیں۔

حضرت عثمان رضؓ کی شہادت، حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان اختلافات اور اسی قسم کے دیگر واقعات میں ان لوگوں کو بڑا مواد مل گیا ہے۔ اور اس کی گنجائش نکل آئی ہے۔ کہ وہ اِسلامی نظام کے ناقابلِ عمل ہونے کو ذہن میں بٹھا سکیں۔؟

اِن لوگوں کے مددگار مخلص مسلمان بھی بن گئے۔ جنھیں اسلام کے اِس تابناک دور میں ان واقعات کا پیش آنا ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ اور انہیں اس بات سے صدمہ ہوتا ہے۔ کہ رسُول اللہؐ اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانے میں جو نظام تھا۔ اس میں ذرا بھی کوئی انحراف پیدا ہو۔ اس وجہ سے وہ بھی یہی سمجھنے لگتے ہیں۔ کہ اسلام کی ترقی خلافت راشدہ کے بعد رک گئی۔

اس بات کا جائزہ لینے کے لئے ذرا باریک بینی سے انسانی عوامل اور اسلام کے مزاج کا اندازہ کرنا ہوگا۔

فطرت سے ہم آہنگی

پہلے تو یہی بات غلط ہے۔ کہ الٰہی قانون انسانی طاقت سے بالاتر ہے۔ اور انسان اس قدر مشقت اور تکلیف برداشت نہیں کر سکتا۔

بے شک اسلام بہت بلند نظام ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ فطری بھی ہے۔ اسلام ابتدا ہی سے فطرت کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر چلتا ہے۔ اور اسلام پہلے ہی مرحلے سے نفسِ انسانی سے مطابقت اختیار کر لیتا ہے۔ اسلام چونکہ

نفسِ انسانی کے میلانات سے بخوبی واقف ہے۔ اس لئے بڑی نرمی سے اس تک پہنچتا ہے۔ چونکہ اس کی قوتوں سے واقف ہے۔ اس لئے ان سے تجاوز نہیں کرتا۔ چونکہ اس کی تمام ضرورتوں اور ارمانوں سے واقف ہے، اس لئے انہیں پورا کرتا ہے۔ اور چونکہ اس کی اصل طاقت سے واقف ہے۔ اس لئے اسے عمل کے لئے بروئے کار لاتا ہے۔

نظامِ اسلامی خواہ کتنا ہی بلند، عظیم اور شاندار ہو۔ بہرحال اس انسان کے لئے ہے۔ جو اس دُنیا میں رہتا ہے۔ نیز اسلامی نظام انسانی فطرت کے تمام پہلوؤں پر محیط اور اس کی تکوین و ترکیب کے تمام خصوصیات کو مدِنظر رکھتا ہے۔

اگر نفسِ انسانی اپنی فطرت سے ہم آہنگ رہے۔ اس کی تمام ضروریات بروئے کار آتی رہیں۔ اور اس کو تعمیری مشاغل میسر آتے رہیں۔ تو وہ زندگی کے ساتھ ہنسی خوشی رواں دواں ہو جاتا ہے۔ اور فطرت کے ساتھ ساتھ بلندیوں تک پہنچ جاتا ہے۔ اسی میں اسے حقیقی اطمینان و سکون میسر آتا ہے

اخلاقی نظام

کچھ وہ لوگ بھی ہیں جو اسلام کے اخلاقی نظام سے خوفزدہ ہیں، وہ سمجھتے ہیں، کہ اخلاقی بندشیں سخت ہو جائیں گی، اور فطری میلانات و جذبات کے پورا کرنے کی تمام راہیں مسدود ہو جائیں گی۔

لوگ ایسا صرف اس لئے خیال کرتے ہیں، کہ وہ دین کے مزاج سے ناآشنا ہیں۔ اسلام کا اخلاقی نظام صرف قید و بندش نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک تعمیری قوت ہے

جو مسلسل ترقی و بلندی کی جانب لے جانے والی ہے۔ اور پاکیزہ طریقے پر اثباتِ ذات کے مواقع فراہم کرتی ہے۔

اسلام کے نظامِ اخلاق کی خوبی یہ ہے۔ کہ یہ عمل اور ایجابیت پر اُبھارتا ہے۔ کیونکہ بیکاری اور معصیت غیر اخلاقی حرکت اور انسان کے مقصد وجود کے منافی ہے۔ انسان کا مقصد وجود خلافت فی الارض اور زمین کی قوتوں اور طاقتوں کو تعمیری کاموں میں لگانا ہے۔

جہاد بھی در اصل خیر کے پھیلانے اور برائی کا مقابلہ کرنے کی ایک ایسی اخلاقی صورت ہے، جس سے انسان کے اندر پنہاں قوتیں اُبھرتی ہیں، اور یہ اسلام کی ایک ایسی عبادت ہے، جس میں اخلاقی عنصر انتہائی تابناک طریقے پر جلوہ گر ہے۔

غرض جو اخلاقی اصول بظاہر قید و بندش محسوس ہوتے ہیں۔ وہ دراصل آزادی اور حرکت ہیں، ناجائز جنسی تعلقات کی حرمت بظاہر ایک بندش معلوم ہوتی ہے مگر دراصل وہ شہوتوں کی غلامی سے آزادی دلاتی ہے۔ کیونکہ اسلام کی بتائی ہوئی پاکیزگی کو اپنا کر اور طیبات ہی کے دائرے میں رہ کر انسانی ارادے کو بلندی و برتری حاصل ہو جاتی ہے اسی طرح ایثار کو لے لیجئے۔ جو بظاہر نفسِ انسانی کے لئے ایک ناگوار عمل ہے۔ مگر فی الحقیقت بخل سے آزادی، اور حرص سے چھٹکارا ہے۔ اور اس سے عام بھلائی کا شعور وسعت پاتا ہے۔

اسلام گناہوں اور برائیوں کو قید و بندش بتاتا ہے۔ کیونکہ برائیوں

سے نفسِ انسانی بوجھل ہو کر اسے گراوٹ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور گرے ہوئے جذبات و میلانات کی پابجائی سے رُک جانے کو آزادی اور اخلاق کہتا ہے۔ اور اسلام کا سارا اخلاقی نظام اسی بنیاد پر قائم ہے۔

کیونکہ اسلام کی نظر میں فطرتِ انسانی خیر اور بھلائی کی جانب رجوع کرتی ہے۔ کیونکہ انسان کو خدا نے احسنِ تقویم میں پیدا فرمایا ہے۔ مگر اگر انسان خدا کے مقرر کردہ قانون سے روگردانی کرتا ہے تو وہ اسفل السافلین میں جا گرتا ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْٓ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ثُمَّ
رَدَدْنٰهُ أَسْفَلَ سَافِلِيْنَ إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَ
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (التین ۴ - ۵)

ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔ پھر ان میں بوڑھا ہو جاتا ہے۔ ہم اس کو پستی کی حالت والوں سے بھی پست کر دیتے ہیں۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے۔

جو طریقۂ زندگی فطرت کے مطابق ہوگا۔ وہی فطرت کو جکڑنے والی بندھنوں سے انسان کو آزاد کرا سکے گا۔ اسی لئے اسلام چاہتا ہے۔ کہ اسلام انسانی معاشرے پر بالادستی حاصل کر کے ایسے حالات اور اس قسم کا ماحول پیدا کرے کہ لوگ انحرافات سے کنارہ کش ہو کر تعمیری کاموں میں لگ جائیں، اور بھلائی کے کاموں کی جانب سبقت کرنے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔

جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ اسلام کا بوجھل اخلاقی نظام عملی دنیا میں
بروئے کار لانا دشوار ہے۔ ان کو یہ خیال آج کے اس مسلمان کو دیکھ کر آتا ہے
جو ایسے معاشرے میں سانس لے رہا ہے جس پر اسلام کی حکمرانی نہیں ہے
اور جب معاشرے پر جاہلیت چھائی ہوئی ہو۔ تو پھر اسلامی اخلاق
یقیناً ایک بوجھ ہوگا۔ جس کا بخوبی احساس ان لوگوں کو ہوتا ہے، جو اسلام
کی پاکیزگی کے ساتھ جاہلیت کی گندگیوں میں زندگی گزار رہے ہوں۔

اسلام ایک واقعاتی نظام ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ جو لوگ اس کے
مطابق زندگی بسر کریں۔ ان کے معاشرے پر حکمرانی بھی اسلام ہی کی ہو
کیونکہ اسلامی معاشرے میں پاکیزگی اور بھلائی ایسا "معروف" ہو
جس کے لئے معاشرے کا ہر فرد کوشش میں لگا رہے گا، اور برائی او
گندگی ایسا "منکر" ہوگا۔ جسے پورا معاشرہ رد کردے گا۔

جب صورتِ حال یہ ہو۔ تو اسلامی نظام انتہائی آسان ہو جا
ہے بلکہ اصل دشواری اور تکلیف بُرے کاموں میں پیش آنے لگتی ہے
کیونکہ معاشرے کی ساری قوتیں اور خود انسان کی فطرتِ سلیمہ برائی
کے مدِ مقابل آجاتی، اور انحراف کے راستے کو انتہائی دشوار بنا
دیتی ہیں۔

اسی لئے اسلام چاہتا ہے کہ تمام انسانیت پر حکمرانی اسلام کی ا
اللہ کے قانون کی ہونی چاہیئے۔ اور غیر اللہ کی حکمرانی بالکل ممنوع
ہونی چاہیئے۔ اسلام تو انسانی زندگی پر صرف اور صرف اللہ کی

حکمرانی تسلیم کرتا ہے۔ اور یہی معنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ہیں۔

اسلام چاہتا ہے کہ ایک اسلامی معاشرہ برپا ہو۔ جس میں مسلمان پوری
طرح اپنے دین پر عمل پیرا ہو سکے۔ کیونکہ کائنات اور انسان کے مقصد
وجود کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر تمام جاہلی تصورات سے بالکلیہ
مختلف ہے۔ اور یہ اختلاف بنیادی اور جوہری ہے۔ اور اس میں کسی
بھی مرحلہ پہ ربط و تعلق کا کوئی امکان نہیں ہے۔

اس لئے ایک ایسا معاشرہ ناگزیر ہے۔ جس میں اسلام اپنی جملہ
اقدار کے ساتھ برپا ہو سکے۔ اور جاہلی معاشرے و جاہلی ماحول سے یکسر
مختلف ہو۔

ایسا معاشرہ جس میں اسلامی تصور اور اسلامی طریقۂ زندگی کو بالادستی
حاصل ہو یہی معاشرہ صحیح طبعی اور فطری آزادی کے ساتھ نشو و ارتقاء
حاصل کرتا ہے۔

اور اسی معاشرے میں ایک مسلمان آسان اور پُرلطف طبعی زندگی بسر
کرتا ہے۔ کیونکہ اسے معاشرے کے ہر طبقے میں بھلائی کے خواہاں اور
نیکی کے مددگار میسر آجاتے ہیں۔ اور اسے اسلامی اخلاق کے برتنے میں
ایک شعوری اور اجتماعی راحت حاصل ہوتی ہے۔

اور اگر اسلامی معاشرہ موجود نہ ہو۔ تو ایک مسلمان کی ساری زندگی
اذیت و تکلیف کی زندگی ہو کر رہ جاتی ہے، وہ کسی طرح بھی ایک غیر اسلامی
معاشرہ میں رہتے ہوئے پورا پورا اسلام پر عمل پیرا نہیں ہو سکتا۔ اور بالآخر

مسلمان جاہلی معاشرے میں ایک راندہ ہُوا فرد ہو کر رہ جاتا ہے۔

اسلامی نظام اسی وقت سہل ہے۔ جب اسلامی معاشرہ موجود ہو کیونکہ اسلام کے تمام قوانین اسلامی معاشرے ہی کے لئے بنائے گئے ہیں نہ کہ کسی جاہلی معاشرے کے لئے۔

جاہلیت، عذابِ الیم

یہ خیال کرنا بھی دُرست نہیں ہے کہ اسلامی معاشرے میں لوگ جاہلی معاشرے سے زیادہ پابندیاں برداشت کرتے اور دشواریاں اٹھاتے ہیں۔

ہر جاہلی ضابطۂ زندگی —— (جاہلی ضابطۂ زندگی ہر وہ قانون ہے، جو اللہ کے قانون سے ہٹ کر وضع کیا گیا ہو) —— میں انسانی جہل، انسانی کمزوری اور ہوائے نفس کی تکمیل ضرور ہوتی ہے۔ اسی لئے جاہلی قوانین انسانی فطرت سے متصادم ہوتے ہیں، اور یہ تصادم انسانیت کی بدبختی اور شقاوت پر منتج ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ جاہلی قوانین انسانیت کو پیش آنے والی مشکلات کے جزئی علاج پیش کرتے ہیں، اس طرح کہ ایک بیماری کا علاج ہوتا ہے۔ تو اس کی جگہ دوسری بیماری لے لیتی ہے۔ جو پہلی بیماری سے بھی شدید ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ انسانیت ایک الم ناک عذاب میں مبتلا ہو جاتی ہے، اور یہ عذاب ان صعوبتوں سے کہیں زیادہ ہے۔ جو ایسے مکمل جامع اور فطری نظامِ اسلامی کے قیام کی جدوجہد میں

اٹھانا ہے۔ جو انسانیت کی تمام مشکلات کا واحد حل ہے۔

اگر کوئی شخص تاریخ کا مطالعہ کرکے یہ معلوم کرے کہ نظام ہائے جاہلیت میں انسانیت کس قدر مصیبتوں اور عذابِ مسلسل سے گزری ہے تو وہ یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اسلامی نظام جاہلیت سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔

اسلامی نظام آناً فاناً معاشرے کو روندتا اور کچلتا ہوا نہیں آتا۔ اس کے سامنے ایک وسیع اور طویل پروگرام ہے۔ جو ایک نسل اور ایک شخص کی زندگی تک محدود نہیں ہے۔ جیسا کہ جاہلی نظاموں میں ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی نسل بلکہ ایک مختصر سے عرصے میں سب کچھ تباہ کرتے ہوئے چلے جاتے اور نہایت بے صبری اور غیر فطری طریقے سے اپنا معاشرہ تشکیل کر لیتے ہیں۔ خواہ اس طوفان میں لاکھوں انسانوں کی جانیں تلف ہو جائیں، اعلیٰ قدریں پامال ہو جائیں اور خیر و شر کے سارے ہی پیمانے ملیامیٹ کیوں نہ ہو جائیں!

اسلامی نظام تو فطری عوامل کے ساتھ بسہولت اور باطمینان آتا ہے وہ توڑتا پھوڑتا نہیں، بلکہ بناتا اور سنوارتا ہے، خواہ اس تعمیرِ انسانیت کے عمل میں کتنا ہی طویل عرصہ کیوں نہ صرف ہو جائے۔ بس لوگوں کے کرنے کا کام یہ ہے۔ کہ وہ مسلسل جدوجہد کرتے رہیں۔

جیسے ایک تناور درخت آسمان کی جانب سر اٹھاتا چلا جاتا ہے اس کی جڑیں زمین کی گہرائیوں میں اترتی چلی جاتی ہیں، اور اس کی ٹہنیاں

شاخ در شاخ ہوتی چلی جاتی ہیں۔

اسی طرح اسلامی نظام بھی انسانی نفوس میں جڑیں پکڑتا۔ آہستہ آہ
پھلتا پھولتا چلا جاتا ہے۔

اسلام کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کسان ایک پودا لگائے۔ پھر اس
حفاظت کرے اور اس کی تدریجی نشوونما کو طبعی اور فطری قوانین پر
دے۔ پھر کبھی اس پودے پر مٹی جم جاتی ہے۔ کبھی دھوپ سے کملا
ہے۔ اور کبھی سیلاب سے پژمردہ ہوجاتا ہے مگر کسان کو معلوم ہے
یہ پودا بالآخر تمام آفات پر غالب آجائے گا، اور نشوونما حاصل کرے
اسی لئے اسے یہ جان جوکھم کا کام سہل معلوم ہونے لگتا ہے۔

یہ بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ آج لوگ جاہلیت کے چنگ
میں پھنسے ہوئے بدبختی اور عذابِ الیم سے دوچار ہیں۔

ہزار سالہ دور

یہ سمجھنا بھی غلط ہے کہ اسلامی نظام زیادہ دیر جا
نہیں رہ سکا، جبکہ اسلام کی روحانی، اجتماعی اور سیا
عمارت، جس کی تعمیر میں صرف نصف صدی لگی تھی، یہ عمارت تمام آفات
قسم کی دشمنیوں اور عداوتوں کے مدمقابل ایک ہزار برس تک قائم رہی

تمام جاہلی طاقتیں مسلسل برسرِپیکار رہی ہیں، مگر اسلام کی عمار
یک لخت نہیں ڈھا سکیں، بلکہ رفتہ رفتہ نقصان پہنچاتی رہیں، اور لوگ ا
سے تھوڑے تھوڑے منحرف ہوتے رہے۔ مگر اس کے باوجود اس

کے اصول آج بھی زندہ و تابندہ ہیں، اور آج بھی نئی نسل احیائے اسلام
کی بڑی بے قراری سے منتظر ہے۔

اس بات کو سمجھنے کے لئے ایک جاہلی معاشرے کی مثال لیجئے!
سلطنتِ رُوما ایک ہزار برس تک قائم رہی، مگر جب زوال آیا تو ایک ہی
صدی میں سب کچھ ختم ہوگیا، اور اس کے بارِ دگر احیاء کا کوئی تصور بھی لوگوں
کے ذہنوں میں باقی نہ رہا۔

اللہ کے قانون اور بندوں کے قانون میں یہی بنیادی فرق ہے!

بے شک اسلامی تاریخ کا ابتدائی دور پوری انسانیت کے لئے ایک
[illegible] ایک دور ہے، مگر صرف یہی دور اسلامی دور نہیں ہے۔ یہ دور تو
در اصل پوری انسانیت کے لئے ایک روشنی کا مینار ہے۔
تاکہ انسانیت ہمیشہ اس سے روشنی حاصل کرتی رہے۔ اور اس بلند
مقام تک پہنچنے کے لئے مسلسل جدوجہد کرتی رہے۔

پھر یہ دور بھی کوئی ناممکن معجزہ نہیں تھا، کہ دوبارہ وہ دور واپس نہ
آسکے، بلکہ تحریکِ اسلامی کی گرانقدر جدوجہد کا ثمرہ تھا، اور آج بھی اگر اسی
درجہ کی جدوجہد کی جائے۔ تو آج بھی اس دور کا لوٹ آنا ممکن ہے۔

یہ جدوجہد جو انسانیت کے منتخب افراد نے کی تھی، آنے والی تمام نسلوں
کے لئے ایک سرمایہ اور دورِ اول تمام انسانیت کے لئے ایک مثالی دور
بن گیا۔

دورِ اول کے بعد بھی اسلامی نظام انسانی زندگی پر مسلسل اپنے گہرے اثرات

مرتسم کرتا رہا۔ انہی اثرات کو دیکھتے ہوئے آج بھی یہ امید بندھتی ہے۔ کہ انسانیت دوبارہ اس معیار تک پہنچنے کی جدوجہد کرے گی۔

اسلام — مؤثر طریقۂ کار

دورِ اوّل کی تابناکیاں اس قدر عظیم الشان اور اس دور کے تاریخی اثرات اس قدر ہمہ گیر ہیں۔ کہ یہ اثرات آج بھی تصورات، اقدار، ما[حول] اور نظامِ زندگی میں رچے بسے چلے آتے ہیں، اور آج بھی انسانیت کے [لیے] یہ ممکن ہے کہ وہ اس دور کو واپس لے آئے۔

اس تابناک دور میں اس قدر عظیم شخصیات پیدا ہوتی ہیں، کہ اقوا[مِ] عالم کی عظیم ترین ہستیاں بھی ان کے سامنے بونی معلوم ہوتی ہیں، او[ر] یہ عظیم شخصیات اس قدر کثیر تعداد میں ہیں۔ کہ دیکھنے والا مبہوت ہو[کر] رہ جاتا ہے۔ کہ کس طرح اس مختصر سے وقفے میں اس قدر ہمہ گیر [illegible] تابناک ہستیاں وجود میں آگئیں۔

پھر یہ تابناک ہستیاں جو رہتی دنیا تک تمام انسانیت کے لیے [illegible] مثال ہیں، بہرحال انسان ہی ہیں۔ جنھوں نے اپنی فطرت و طبیعت [illegible] گریز نہیں کیا۔ جنھوں نے اپنی تعمیری قوتوں کو نہیں دبایا۔ اور نہ ا[پنے] آپ کو اپنی طاقت سے زیادہ مکلف کیا۔ بلکہ انھوں نے تمام انسانی ا[illegible]

انجام دیئے۔ اور اپنے ماحول اور زمانے کی اچھی اشیاء کو استعمال کیا۔ انہوں نے غلطیاں بھی کیں، اور انہوں نے صحیح اور درست کام بھی کیے وہ بشری کمزوری سے دوچار بھی ہوئے۔ اور اس پر غالب بھی آگئے؟

اس حقیقت کے منکشف ہونے سے انسانیت کے لیے امید کی ایک کرن روشن ہو جاتی ہے۔ کہ یہ تابناک دور واپس آسکتا ہے۔ اور انسانیت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ہر مرحلے پر اس کو بطور مثال اپنے سامنے رکھے تاکہ اسے اپنے نفس، اپنی فطرت اور اپنی پوشیدہ قوتوں پر اعتماد حاصل ہو۔ اور وہ یہ سمجھ لے کہ یہ نظام کوئی معجزہ نہ تھا، بلکہ یہ انسانوں کی اپنی جدوجہد اور ان کی اپنی طاقتوں کے دائرے میں رہتے ہوئے وجود میں آیا تھا، اور اس نظام اور طریقۂ زندگی کا یہ مزاج تھا، کہ وہ ایسے لوگ پیدا کرے۔

تاریخ کی یہ تابناک ہستیاں ایک تپتے ہوئے بے آب و گیاہ صحراء میں وجود میں آئی تھیں، وہاں طبعی، اقتصادی اور سائنسی ترقیات کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں تھا، وہاں جو کچھ تھا، وہ صرف انسان کی فطری صلاحیتیں تھیں، وہ صلاحیتیں جن سے آج بھی انسانیت تہی داماں نہیں ہے، اور یہ صلاحیتیں تو انسان کے فطری خصائص ہیں، اگر آج بھی انسانیت اس نظام کو بطور نظامِ زندگی اپنا لے۔ تو آج بھی انسانیت عظیم شخصیات کے [illegible] عاجز نہیں ہے!

اسلام تمام مخالفتوں، اور دشمنیوں کے باوجود مسلسل مکمل اور شاندار

انسان پیدا کرتا رہا ہے۔ اور ایسی شخصیات وجود میں لاتا رہیگا۔ جو پوری انسانی تاریخ پر اثر انداز ہوتی رہی ہیں۔

خواہ کتنی ہی دشواریاں اور رکاوٹیں کیوں نہ حائل ہوں۔ جب بھی اسلام کو عملی زندگی میں برپا کر لیا جائے گا۔ اور شہری زندگی میں اسے سمو لیا جائیگا وہ ایسی ہی ہستیاں پیدا کرے گا، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے، کہ اسلام فطرت سے ہم آہنگ ہے۔ اور جب کبھی فطرت اور دین فطرت باہمدگر مربوط ہو جائیں۔ تو خیر و بھلائی کے چشمے جاری ہو جایا کرتے ہیں۔

ہمہ گیر اصول

اس مختصر سے دور میں اسلام نے انسانیت کے لئے ایسے تابناک اصول، اقدار اور تصورات دیئے ہیں جن کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ پھر جس قدر گہرائی اور وسعت اسلامی اصولوں میں ہے ... ...

... ... اس قدر گہرائی اور وسعت دنیا کے کسی نظام کے اصولوں میں نہیں پائی جاتی۔ اور سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے۔ کہ جس قدر سچائی اور اخلاص اسلامی اصول و اقدار میں ملتے ہیں۔ کہیں اور اس اخلاص و سچائی کا ایک شمہ بھی نظر نہیں آتا۔

اسلامی اصول و اقدار انسانی زندگی کے ہر ہر گوشے کو محیط اور ہر ہر [illegible] کو اپنے دائرۂ اثر میں لئے ہوئے ہیں۔ اسلام ایک طرف انسانیت کو خدا [illegible] تصور دیتا ہے۔ اور دوسری جانب خدا اور بندے کا تعلق بڑی صرا[illegible]

[illegible] وضاحت سے بیان کرتا ہے۔ پھر کائنات رنگ و بو کی حقیقت واضح [illegible] کے انسان کا مقصد وجود بتلاتا، اور انسان اور کائنات کے رشتوں [illegible] روشنی ڈال کر اس وسیع کائنات میں انسان کا کردار متعین کرتا ہے۔

ان سب امور کے بعد اسلام خود انسان کی حقیقت واضح کرتا۔ اور [illegible] کے حقوق و فرائض اور اس کی ذمہ داریاں گنتا ہے۔ وہ اقدار اور [illegible] متعین کرتا ہے۔ جن سے انسانی زندگی اور اس کے اعمال و افعال کی [illegible] و وقعت کا جائزہ لیا جا سکے۔ اور جن اقدار پر انسان اپنے خدا [illegible] گھر والوں، اپنے ہم قوموں اور ساری دنیا سے روابط قائم کر سکے

امور بالا کے علاوہ اسلام سیاست، اجتماع، اقتصاد، اور مختلف [illegible] اور تنظیمات کی تشکیل میں بھی پوری پوری راہنمائی عطا کرتا ہے

[illegible] تمام کارنامے ایک ایسے ماحول میں انجام دیئے گئے۔ جو تمام کا تمام اسلام کا دشمن تھا، اور تمام دنیا اسلام کے تصورات اور اقدار کو بُرا [illegible] تھی ——— اور یہ تمام کارنامے ایک ایسی سوسائٹی میں وجود [illegible] جن کی اقتصادیات، اجتماعیات اور سیاسیات تمام کی تمام [illegible] اصولوں سے متصادم تھیں۔ اور جس سوسائٹی کی حالت عقلیہ [illegible] ذہنیت اسلامی اصولوں کو قبول کرنے کے لئے کسی طرح تیار [illegible]

[illegible] اسلام نے انسانی فطرت کے سرمائے پر اعتماد کیا۔ اسلام انسان [illegible] کو ابھار کر اُسے بروئے کار لایا، اور فطرت پر پڑے ہوئے

گرد و غبار کو صاف کیا۔ اور برسوں کے لگے ہوئے زنگ کو دھو کر فطرتِ سی
کو سطحی، سماجی، اثرات اور بندشوں سے چھٹکارا دلا کر آزاد کیا، اور
نئی توانائی عطا کر کے عمل کی نئی شاہراہ پر گامزن کر دیا۔

اسلام سماج کی واقعاتی صورتِ حال کو نظر انداز کر کے نہیں گزرتا
اور نہ اس کے سامنے ہتھیار ڈالتا ہے۔ بلکہ وہ پہلے فطرتِ سلیمہ کو معاش
جکڑ بندیوں اور جاہلی بندشوں سے آزاد کراتا، اور اس کی قوتوں
جمع کر کے اور اس کی پوشیدہ صلاحیتوں کو اُبھار کر از سرِ نو عمل
نئی شاہراہ پر گامزن کر دیتا ہے اور پھر وہی نتائج برآمد ہوتے ہیں
جو اسلام کے دورِ اوّل میں ہوئے تھے۔ اور ماحول اور سوسائٹی
ساری رکاوٹیں غبارِ راہ بن کر رہ جاتی ہیں۔

میرا خیال ہے کہ آج کی انسانیت میں اسلام کی قبولیت کی
اس دور سے زیادہ موجود ہے، جس دور میں اسلام آیا تھا۔ اور اس
نے اس قدر ہمہ گیر اور عظیم انقلاب برپا کیا تھا، اور آج کی انسا
اسلام کی ذمہ داریاں سنبھالنے کی کافی زیادہ طاقت رکھتی ہے۔

جبکہ یہ حقیقت بھی ہمیں معلوم ہے کہ انسان کی فطرتِ سلیم
کتنا ہی گرد و غبار جما ہوا ہو۔ فساد اور انحراف کی خواہ کتنی ہی تہیں
ہوں، اور مادی، سماجی، اقتصادی اور فکری جکڑ بندیوں نے
اسے کتنا ہی جکڑ لیا ہو —— مگر بہر حال انسان کی فطرتِ سلیم
پر قادر ہے۔ کہ اپنے آپ کو سماج کی بندشوں سے آزاد کرا کے

بتائی ہوئی صراطِ مستقیم اور عمل کی شاہراہِ عظیم پر ایک نئے ولولے اور جوش
کے ساتھ رواں دواں ہو جائے۔

فطرتِ سلیمہ جس وقت گرد و غبار جھاڑ کر عمل کے لئے اُٹھ کھڑی ہوتی
ہے۔ تو اس میں اس قدر عظیم طاقت اور توانائی پیدا ہو جاتی ہے، کہ ماحول
اور سوسائٹی کی رکاوٹیں اس کے سامنے غبارِ راہ بن کر رہ جاتی ہیں۔

ماحول اور سوسائٹی کی باتیں وہ لوگ کیا کرتے ہیں جنھیں اسلام کے
مزاج سے واقفیت نہیں، اور جنھیں فطرتِ سلیمہ کی صلاحیتوں اور توانائیوں
کا علم نہیں، وہ لوگ ہی یہ خیال کرنے لگتے ہیں۔ کہ اس جمی ہوئی سوسائٹی
کو اکھاڑ پھینکنا ممکن نہیں ہے۔

انسانی فطرت بجائے خود ایک عظیم طاقت ہے۔ اور یہ طاقت کسی ایسے
نظام پر مطمئن نہیں ہو سکتی، جو اس سے ہم آہنگ نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آج
ساری دنیا میں انسانیت بدبختی اور عذاب سے دوچار ہے۔

جب بھی کوئی ماحول یا سوسائٹی فطرتِ انسانی سے متصادم
ہوتی ہے، فطرت اور سوسائٹی میں ایک سرد جنگ برپا ہو جاتی ہے جس میں
[illegible] کامیابی سوسائٹی کو حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ سوسائٹی کی پشت پر
[illegible] مادی قوت ہوتی ہے۔ مگر چونکہ فطرت کی طاقت و قوت سوسائٹی
اور ماحول سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ بالخصوص اس وقت جبکہ اسے
ایک فطری نظام (اسلام) سے رہنمائی مل رہی ہو، اس لئے بالآخر
[illegible] ہی غالب آ کر رہتی اور نظامِ باطل کو اُکھاڑ پھینکتی ہے۔

جزیرہ نمائے عرب میں یہی کچھ تو ہوا تھا، وہاں بھی سارا ماحول، پوری سوسائٹی اور تمام دنیا اسلام سے متصادم تھی، مگر بالآخر اسلام کو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی، اور اس نے ساری سوسائٹی کو بدل کر از سرِ نو تنظیم کی۔

یہ انقلابِ عظیم بطورِ معجزہ برپا نہیں ہوا تھا، بلکہ انسانی جدوجہد سے وجود میں آیا تھا، اور یہ جدوجہد جب بھی کی جائے۔ یقیناً انقلاب آفریں ہوگی۔ پھر اسلام کے دورِ اول نے انسانی تاریخ پر جو اثرات قائم کئے ہیں، وہ تمام کے تمام ایک نئی کوشش کے لئے مددگار ثابت ہوں گے

اسلامی اثرات

اسلام کے دورِ اول نے جو گہرے اثرات چھوڑے اس نے ساری انسانیت میں کچھ ایسی قدریں سمو دی ہیں، کہ وہ اس قدر طویل دور گزرنے کے باوجود بھی آج تک چلی آتی ہیں۔ اور تمام کی تمام انسانیت اپنے ماحول و تصورات، اقتصادیات و عمرانیات اور علوم و معارف میں آج تک اسلام سے فیض یاب ہوتی چلی آرہی ہے — باوجودیکہ پوری دنیا کی طاقتیں اور ساری سوسائٹی کی رکاوٹیں اسلام کے مدِمقابل ہیں۔ اور ساری مغربی دنیا رومی اور یونانی جاہلیتوں کا احیاء کرکے سرتاپا ان میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اس کے باوجود بھی اسلامی اثرات کسی نہ کسی شکل میں زندگی کے ہر گوشے میں نمایاں نظر آتے ہیں۔

اسلام نے ساری انسانیت کو کچھ اصول، اقدار اور نظریات عطا

ہیں، خواہ اہلِ مغرب اس کا اعتراف نہ کریں۔ اور ان اثرات کو یونانی اور رومی جاہلیتوں سے، منسوب کردیں۔ مگر اہلِ نظر سے بہرحال یہ حقائق پوشیدہ نہیں ہیں۔

ہم آئندہ باب میں اسلام کے ان اوصاف کی نشان دہی کریں گے، جنکو آج انسانیت اپنائے ہوئے ہے مگر جب اسلام نے ان اصولوں کو پیش کیا تھا، اس وقت کی سوسائٹی نے ان کی شدید ترین مخالفت کی تھی۔ مگر آج انسانیت جدیدہ میں ان اوصاف کی موجودگی شاید اُس کے دوبارہ اسلام کی جانب آنے کا باعث بن جائے۔ کیونکہ انسانیتِ جدیدہ کے پاس اسلام کے دورِ اول کے باقی ماندہ اثرات، اور انسانیت کے تلخ تجربات ہیں، اس پر مستزاد وہ عذابِ الیم بھی ہے جو انسانیت اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم سے بھٹک کر برداشت کر رہی ہے

یہ سب عوامل مل کر بالآخر، جلد ہی انسانیت کو اسلام کی جانب لے آئیں گے !!

اسلام — اور فطرتِ سلیمہ

جس وقت اسلام آیا۔ پورا جزیرہ نمائے عرب اور پوری دُنیا اس کی مخالف تھی اور دنیا کے عقائد و تصورات اس کے مدِمقابل تھے، سماجی قدریں،

اور معاشرتی تنظیمات اس کی ضد تھیں۔ اور لوگوں کی عصبیتیں اور معاشرے کے مختلف طبقات کی مصلحتیں اس کے خلاف تھیں۔

اسلام اور اس وقت کی موجود سوسائٹی میں ایک لامتناہی فاصلہ تھا۔ اور سوسائٹی کی پشت پر صدیوں کی تاریخ، لوگوں کی مصلحتیں اور سماجی قوتیں تھیں، اور اسلام تنہا ان سب کے مدمقابل تھا، پھر اسلام نے صرف اخلاق وعادات، عقائد وتصورات، اور سماجی اقدار ہی نہیں بدلیں بلکہ سماجی ادارے، معاشرتی تنظیمیں، قانون وشریعت اور تقسیم دولت کے سارے پیمانے ہی بدل کر رکھ دیئے۔ اور سماج کی حکمرانی طاغوت اور جاہلیت کے ہاتھوں سے چھین کر مالک حقیقی کی فرمانروائی قائم کردی۔

اگر اس وقت کی سوسائٹی میں بھی کوئی یہ کہتا تھا، کہ یہ نیا دین ساری سوسائٹی کو بدل ڈالے گا، تو اس وقت بھی وہ مذاق اور تمسخر کا نشانہ بنا کرتا تھا، جیسا کہ آج بنتا ہے۔

مگر سوسائٹی نے نئے آنے والے نظام کے لیے جلد ہی جگہ خالی کردی، اور جاہلیت نے اقتدار اسلام کو سپرد کردیا، تاکہ اسلام لوگوں کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لائے۔

یہ سب کچھ کیوں کر ہوگیا ـــــ کیسے ایک شخص ـــــ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ـــ کے لیے یہ ممکن ہوگیا، کہ وہ تمام دنیا کے مدمقابل کھڑے ہو کر تمام عقائد وتصورات، سماجی اقدار، مصلحتوں اور عصبیتوں کے بالمقابل آگئے؟ ـــــ اور سب کچھ بدل کر نیا نظام بالکل نئی بنیادوں پر استوار

کر دیا۔

آپؐ نے وقت کے تقاضوں سے کوئی سمجھوتہ نہیں کیا، کافروں کے میلانات وجذبات عقائد اور تصورات کو ایک لمحہ کے لئے برداشت نہیں کیا، اور ان کے دیوتاؤں اور خداوندانِ باطل کو ایک دن کے لئے انگیز نہیں کیا، بلکہ پہلے ہی دن اعلان کر دیا۔

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَا عَبَدْتُمْ ۝ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۝ (کافرون ۱-۶)

آپؐ کہہ دیجئے، اے کافرو، میرا اور تمہارا طریقہ متحد نہیں ہو سکتا، نہ تو میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں، اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو، اور نہ آئندہ میں تمہارے معبود کی پرستش کروں گا، اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرو گے، تمہارے لئے تمہارا دین ہے۔ اور میرے لئے میرا دین ہے؛

اس اعلان میں آپ نے بتا دیا کہ نہ صرف اب تمہاری اور میری عبادت اور تمہارے اور میرے دین میں فرق ہے، بلکہ آئندہ بھی ہیں۔ وہ عبادت کرنے والا نہیں ہوں، جو تم کرتے ہو، اور تم بھی اس خدا کی عبادت کرنے والے نہیں ہو، جس کی میں عبادت کرتا ہوں، اس لیے تمہارا طریقہ کار علیحدہ اور میرا طریقہ جداگانہ ہے۔

آپؐ نے یہ دعوے بھی نہیں کیا، کہ آپ کے پاس کوئی پوشیدہ طاقت

اور غیر انسانی خصوصیات ہیں۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ (انعام - ۵)

"آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں تمام غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو صرف جو کچھ میرے پاس وحی آتی ہے۔ اس کا اتباع کر لیتا ہوں"

آپؐ نے اپنی حمایت حاصل کرنے کے لئے لوگوں سے مناصب اور عہدوں کے وعدے بھی نہیں کئے۔ ابنِ اسحاق لکھتے ہیں۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حج کے موقع پر قبائل سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے۔

"میں اللہ کا رسول ہوں، اس کا حکم ہے۔ کہ تم اسی کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور اس کے سوا جن کی پرستش کرتے ہو۔ سب کو چھوڑ دو، اور میرے اوپر ایمان لاؤ اور میری تصدیق کرو"

زہری بیان کرتے ہیں، کہ نبی کریم۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ قبیلہ بنی عامر میں تشریف لائے، اور انھیں دعوتِ اسلام پیش کی، تو ایک شخص کہنے لگا،

"اگر قریش کا یہ جوان میرے قبضے میں ہوتا، تو میں سارے عرب کو نگل جاتا"

پھر کہا، کہ اگر ہم تمہاری بیعت کرلیں، اور آپ اپنے مخالفین پر غالب آجائیں، تو آپ کے بعد ہمیں اقتدار میں کوئی حصہ ملے گا، آپؐ نے جواب میں فرمایا۔ اقتدار اللہ تعالےٰ کی ملک ہے۔ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے —— اس پر وہ شخص کہنے لگا، کیا تمہارا مقصد یہ ہے، کہ ہم تمام اہلِ عرب کے نیزوں کے سامنے اپنے سینے کئے رکھیں، اور پھر اقتدار دوسرے لے اڑیں؟ ہمیں تمہارے اسلام سے کوئی دلچسپی نہیں ہے،

خیال فرمایئے کس طرح شخصِ واحد ساری سوسائٹی اور تمام حالات پر غالب آگیا۔؟

آپؐ نے یہ غلبہ کسی معجزے سے حاصل نہیں کیا، کیونکہ آپؐ تو خود بار بار کفار کے مافوق الفطرت مطالبات کو رد فرماتے رہے۔ جو کچھ بھی ہوا وہ سنتّ اللہ کے مطابق ہوا۔ اور اس وجہ سے ہوا کہ اسلام نے انسانیت کی پوشیدہ فطرتِ سلیمہ کو ابھار کر آمادہ عمل کر دیا۔ اور جب بھی لوگ سنتّ اللہ کو اختیار کر کے فطرتِ سلیمہ کو عمل پیہم کے لئے تیار کر لیں گے، وہ دوبارہ اس انقلاب سے ہم کنار ہو جائیں گے۔

اصلاحِ عقیدہ

اسلام کی آمد سے قبل فاسد اور منحرف عقائد انسانی ضمیر کو زنگ کی طرح چمٹے ہوئے تھے۔ اور جس طرح لوگوں کے قلب و دماغ افکارِ باطلہ سے بھرے ہوئے تھے، اسی طرح خانہ کعبہ معبودانِ باطل سے بھرا ہوا تھا، لوگوں کے نسلی اور اقتصادی مفادات ان معبودانِ باطل کے ساتھ وابستہ تھے، خدا کے حقوق بندوں

میں بٹے ہوئے تھے۔ اور کاہنوں کو قانون سازی اور لوگوں کے لیے زندگی گزارنے کے طریقے متعین کرنے کے اختیار حاصل تھے۔

اسلام نے آتے ہی فطرتِ سلیمہ کو مخاطب کرتے ہوئے اعلان کیا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ! اور فطرتِ سلیمہ نے اسلام کی اس پکار پر لبیک کہا، کیونکہ فطرتِ سلیمہ اللہ کے سوا اور کسی الٰہ سے واقف نہیں ہے۔ اور اسلام نے لوگوں کو ربِّ حقیقی کی صفات یاد دلائیں۔ جس سے فطرتِ سلیمہ پہلے ہی سے واقف تھی۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ قُلْ اِنِّيْ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ قُلْ اِنِّيْ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى قُلْ لَّا اَشْهَدُ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ (انعام ۱۴ - ۱۹)

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُلْ لَّا اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِيْنَ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ

تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً لَئِنْ اَنْجَانَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ
الشّٰكِرِيْنَ ۝ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ
ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ
عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ
اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ
اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ (الانعام ۶۵)

آپ کہیے کہ کیا اللہ کے سوا جو کہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے ہیں اور جو کہ کھانے کو دیتے ہیں، اور ان کو کوئی کھانے کو نہیں دیتا کس کو معبود قرار دوں، آپ فرما دیجئے، کہ مجھ کو یہ حکم ہوا ہے۔ کہ سب سے پہلے میں اسلام قبول کر لوں، اور تم مشرکین میں سے ہرگز نہ ہونا۔

آپ کہہ دیجئے، کہ اگر میں اپنے رب کا کہنا نہ مانوں۔ تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

جس شخص سے اس روز وہ عذاب ہٹا دیا جائے گا۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے بڑا رحم کیا، اور یہ صریح کامیابی ہے۔ اور اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچا دیں تو اللہ کے سوا کوئی اس کا دُور کرنے والا نہیں، اور اگر تجھ کو کوئی نفع پہنچا دیں۔

تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

اور وہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر غالب ہیں، اور وُہ ہی بڑی حکمت اور پوری خبر رکھنے والے ہیں۔

آپ کہیے کہ سب سے بڑھ کر چیز گواہی دینے کے لیے کون ہے۔ آپ کہیے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ ہے۔ اور میرے پاس یہ قرآن بطور وحی کے بھیجا گیا ہے۔ تاکہ اُس کے ذریعہ سے میں تم کو اور جس کو یہ پہنچے ڈراؤں، کیا تم سچ مچ یہی گواہی دو گے، کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ اور معبود بھی ہیں، آپ کہہ دیجئے، میں تو گواہی نہیں دیتا، آپ فرما دیجئے بس وہ تو ایک ہی معبود ہے اور بیشک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔

آپ کہہ دیجئے کہ مجھ سے اس سے ممانعت کی گئی ہے، کہ ان کی عبادت کروں، جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، آپ کہہ دیجئے میں تمہارے خیالات کا اتباع نہ کروں گا، کیونکہ اس حالت میں تو میں بے راہ رَو ہو جاؤں گا، اور راہ پر چلنے والوں میں نہ رہوں گا، آپ کہہ دیجئے میرے پاس تو ایک دلیل ہے میرے رب کی طرف سے اور تم اس کی تکذیب کرتے ہو، جس چیز کا تم تقاضا کر رہے ہو، وہ میرے پاس نہیں حکم کسی کا نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے، اللہ تعالیٰ حق بات کو بتلا دیتا ہے۔ اور سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا وہی ہے۔ آپ کہہ دیجئے اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کا تم تقاضا کر رہے ہو، تو میرا اور تمہارا باہمی قصہ فیصل ہو چکا ہوتا، اور ظالموں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ اور اللہ ہی کے پاس خزانے ہیں تمام مخفی اشیاء کے ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ کے اور وہ

تمام چیزوں کو جانتا ہے۔ جو کچھ خشکی میں ہیں۔ اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں۔ اور کوئی پتہ نہیں گرتا وہ اس کو بھی جانتا ہے۔ اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصّوں میں نہیں گرتا اور نہ کوئی تر اور خشک چیز گرتی ہے۔ مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں، اور وہ ایسا ہے کہ رات میں تمہاری رُوح کو قبض کر لیتا ہے۔ اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اسے جانتا ہے، پھر تم کو اُٹھاتا ہے۔ تاکہ میعاد معین تمام کر دی جائے۔ پھر اسی کی طرف جانا ہے، پھر تم کو تبلادے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ اور وہی اپنے بندوں کے اوپر غالب ہیں، برتر ہیں۔ اور تم پر نگہداشت رکھنے والے بھیجتے ہیں۔

یہاں تک کہ جب تم سے کسی کو موت آ پہنچتی ہے، اس کی رُوح ہمارے بھیجے ہوئے قبض کر لیتے ہیں، اور ذرا کوتاہی نہیں کرتے پھر سب اپنے مالک حقیقی کے پاس لائے جائیں گے۔ خوب سن لو کہ فیصلہ اللہ ہی کا ہوگا، اور وہ بہت جلد حساب لے لیگا۔ آپ کہیئے کہ وُہ کون ہے۔ جو تم کو خشکی اور دریا کی ظلمات سے اس حال میں نجات دیدیتا ہے۔ کہ تم اس کو پکارتے ہو تذلیل ظاہر کر کے اور چپکے چپکے کہ اگر آپ ہم کو ان سے نجات دیدیں تو ہم ضرور حق شناسی والوں میں سے ہو جائیں۔ آپ کہدیجئے کہ اللہ ہی تم کو ان سے نجات دیتا ہے اور ہر غم سے تم پھر بھی شرک کرنے لگتے ہو، آپ کہیئے کہ اس پر بھی وہ ہی قادر ہے۔ کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اُوپر سے بھیجدے۔ یا

یا تمہارے پاؤں تلے سے، یا تم کو گروہ گروہ کر کے سب کو بھڑادے، اور تمہارے کو ایک کو دوسرے کی لڑائی چکھادے۔ آپ دیکھئے تو سہی ہم کس طرح دلائل مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں، شاید وہ سمجھ جائیں ؛

جاہلی معاشرہ

جب لوگ ایک اللہ کی طرف لوٹ آئے، تو انسانوں کی بندگی ختم ہو گئی، اور جب تمام انسانوں کے سر ایک اللہ کے سامنے جھک گئے۔ تو سب ہی سربلند ہو گئے۔ اعلیٰ خون، برتر نسل اور موروثی شرافت اور اقتدار کا سلسلہ یک لخت بند ہو گیا۔

مگر یہ سب کیونکر ہوا؟ جبکہ ساری سوسائٹی مخالف تھی۔ لوگوں کی طبقاتی مصلحتیں مانع تھیں، اور پھر سوسائٹی کے کسی فرد کو اس جاہلی طرزِ زندگی پہ کوئی اعتراض بھی نہ تھا، اس وقت ساری دنیا جاہلیت کے بندھنوں میں جکڑی پڑی تھی۔

"قریش نے اپنے لئے ایسے حقوق و امتیازات مقرر کر لئے تھے جن سے سارا عرب محروم تھا، وہ اپنے ان امتیازات اور حقوق کے ذریعے مادی فوائد حاصل کرتے تھے، مثلاً انہوں نے تمام اہلِ عرب پہ یہ پابندی عائد کی ہوئی تھی، کہ وہ یا تو قریش سے خریدے ہوئے لباس میں طوافِ کعبہ کریں گے، ورنہ برہنہ ہی طواف کرنا ہوگا۔"

ایرانی معاشرہ خاندانوں اور پیشوں میں بٹا ہوا تھا، اور مختلف طبقات میں ایک ناقابل عبور فاصلہ تھا، کسی عام آدمی کو اجازت نہیں

تھی، کہ وہ کسی دولت مند کی زمین خرید سکے۔ جس کو جو مقام نسلاً ملا ہے۔ اِس سے وہ ہرگز تجاوز نہیں کر سکتا، اور جو پیشہ اسے خاندانی اعتبار سے ملا ہے اسے کوئی چھوڑ نہیں سکتا، غرض عوام کے مختلف طبقات کے درمیان واضح خط کھینچ لیا گیا تھا۔"

"ایرانی بادشاہ دیوتا خیال کئے جاتے تھے، اور ان کو خداوند کا پرتو سمجھا جاتا تھا، چنانچہ عوام ان کے سامنے ثنا کرتے، اور انہیں ہر قانون سے بالاتر سمجھتے تھے، نہ تو کوئی شخص بادشاہ کا نام لے سکتا تھا، اور نہ کوئی شخص شاہوں کی مجلس میں بیٹھنے کی جرأت کر سکتا تھا لوگوں کا کوئی حق نہیں تھا سوائے بالادستوں کی اطاعت کے، ان کے بادشاہ سمجھتے تھے کہ صرف کیانی ہی تاج پہن سکتا ہے، اور یہ حق انھیں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا رہتا تھا، اگر کیانی خاندان میں تخت و تاج کا وارث کوئی بالغ نہ ہوتا تھا تو بچوں کو بادشاہ بنا دیا کرتے تھے، اور اگر مرد نہیں ہوتا تھا، تو عورت کو بادشاہ بنا دیتے تھے۔"

اور ہندی معاشرہ تو وہ بدترین معاشرہ تھا جس سے زیادہ بدتر معاشرہ تاریخ نے نہیں دیکھا۔

"چنانچہ برہمنی معاشرے نے ہند میں نئی نئی رسموں کو رواج دیا اور منوشاستر ہندی سوسائٹی کا قانون قرار دے دی گئی۔"

منوشاستر میں ہے:۔

"خدا نے برہمن کو اپنے منہ سے پیدا کیا ہے کھتری کو اپنے بازوؤں

سے، ویش کو اپنی رانوں سے، اور شودر کو اپنے پیروں سے پیدا کیا ہے۔ اس لئے برہمن کا کام وید کی تعلیم دینا ہے۔ کھتری کا کام لوگوں کی حفاظت ہے۔ ویش گلہ بانی کے لئے ہے، اور شودر ان سب کی خدمت کے لئے ہے۔"

"اس قانون نے برہمنوں کو خدائی حقوق دے دیئے تھے۔ وہ جو چاہتے شودر کے مال میں سے لے لیتے، کیونکہ غلام کسی چیز کے مالک نہیں ہوتے۔"

"اس قانون میں برہمن معصوم تھا، کیونکہ وہ کتابِ مقدس کی تلاوت کرتا ہے اس پر کوئی ٹیکس یا تاوان عائد نہیں ہوتا تھا، حتیٰ کہ اگر کوئی برہمن قتل کا بھی مرتکب ہو، تو صرف اس کا سر مونڈا جا سکتا تھا، نیز ان کے یہاں دس سالہ برہمن سو سالہ کھتری سے بہتر سمجھا جاتا تھا۔"

"ہندی معاشرے میں شودر جانوروں سے بھی بدتر تھے، برہمنوں کی خدمت ہی ان کے لئے کارِ ثواب تھا، انہیں مال و دولت جمع کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا، اگر کوئی شودر برہمن کو ہاتھ بھی لگا دیتا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا، اور اگر کوئی شودر برہمن کی مجلس میں بیٹھنے کی جسارت کر بیٹھتا، تو اسے جلاوطن کر دیا جاتا۔ اور اگر وہ برہمن کو گالی دے دیتا، تو اس کی زبان کاٹ دی جاتی تھی، غرض شودر کی زندگی اور جانوروں کی زندگی میں کوئی امتیاز باقی نہ رہا تھا۔" ؎

؎ "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی،

جس وقت ساری دنیا پر اس طرح جاہلیت مسلط تھی، تو اسلام اس وقت جاہلیت کی تہوں میں دبی ہوئی فطرتِ سلیمہ کو پکار رہا تھا —— اور فطرت کی لبیک اس سارے گرد و پیش پر غالب آگئی۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۔ (حجرات ١٣)

اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا ہے۔ تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو، اللہ کے نزدیک تم میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ (بقرہ ١٩٩)

پھر تم سب کو ضروری ہے کہ اسی جگہ ہو کر واپس آؤ، جہاں اور لوگ جا کر واپس آتے ہیں۔

نبی کریم، صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے تم ایک آدمؑ کی اولاد ہو، اور آدم مٹی سے تخلیق ہوئے تھے، تم میں زیادہ شریف وہ ہے۔ جو زیادہ نیکوکار ہے، کسی عربی کو عجمی پر اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ سوائے نکوکاری کے۔"

آپؐ نے فرمایا:۔

"اے قریش کے لوگو! اپنی جانوں کا معاملہ چکا لو، میں خدا کی جانب سے تمہاری کوئی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔"

فطرتِ سلیمہ نے خدا اور اس کے رسول کی یہ پکار سنی اور معاشرے اور سماج کے بندھنوں سے آزاد ہو کر اللہ کے بتائے ہوئے راستے اور اللہ کی مقرر کی ہوئی سنت دائمہ پر رواں دواں ہو گئی۔

سودی نظامِ معیشت

طلوعِ اسلام سے پہلے تمام جزیرہ نمائے عرب پر سودی نظام مسلط تھا، اور سود عربوں کی اقتصادیات کے لیے ریڑھ کی ہڈی بنا ہوا تھا، یہ نہیں تھا، کہ صرف انفرادی معاملات کے تنگ دائروں میں سودی لین دین ہوتا ہو، بلکہ پوری کی پوری معیشت دراصل سودی معیشت تھی، قریش کی تجارت شام و یمن تک پھیلی ہوئی تھی۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں نے جس تجارتی قافلہ کا تعاقب کیا تھا، اس میں ایک ہزار اونٹ سامان سے لدے ہوئے تھے؛ اگر سود ایک اقتصادی نظام کی حیثیت میں سماج پر مسلط نہ ہوتا، اور صرف انفرادی معاملات تک محدود ہوتا، تو قرآن کریم سود کی حرمت اور اس کی برائی بیان کرنے میں اس قدر تاکید سے کام نہ لیتا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے معاشرے کی بنیادوں سے اکھاڑ پھینکنے میں اس قدر جدوجہد نہ فرماتے۔

حقیقت یہ ہے کہ جزیرہ نمائے عرب میں ہر قسم کی تجارتی نقل و حرکت

اور لوگوں کی ساری اقتصادی زندگی۔ سودی نظام سے وابستہ تھی، اور یہ
ساری سودی معیشت یہودیوں کے ہاتھوں میں تھی۔

یہ تھی جزیرہ نمائے عرب کی اقتصادی صورتِ حال، پھر جب اسلام آیا،
تو اس نے سودی معیشت کو جڑ و بنیاد سے اکھاڑ پھینکا، زکوٰۃ، قرضِ حسنہ،
تعاون اور کفالت کی بنیادوں پر ایک نیا نظامِ اقتصاد قائم کیا۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً
فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُوْنَ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ
يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ
مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔

"جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو رات میں اور دن میں
چھپے پوشیدہ اور آشکارا۔ سو ان لوگوں کو ان کا ثواب ملے گا۔ ان
رب کے پاس سے، ان کو نہ کوئی خطرہ ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے
اور جو لوگ سود کھاتے ہیں، نہیں کھڑے ہوں گے، قبروں سے مگر
جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جسے شیطان خبطی بنا دے
یہ سزا اس لئے ہوگی، کہ ان لوگوں نے کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سود
کے ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے۔ اور سود کو حرام
کر دیا ہے۔

فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَاَمْرُهٗٓ
اِلَى اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔
يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ
اَثِيْمٍ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ
وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔

پھر جس شخص کو اس کے پروردگار کی جانب سے نصیحت پہنچی
اور وہ باز آگیا، تو جو کچھ پہلے ہو چکا ہے۔ وہ اسی کا رہا، اور معاملہ اس کا
خدا کے حوالے رہا۔ اور جو شخص پھر عود کرے تو یہ لوگ دوزخ میں جائیں گے
وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، ... ...

... ... اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں،
اور صدقات کو بڑھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے کسی کفر کرنے والے
اور گناہ کا کام کرنے والے کو، بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک
کام کئے، اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی۔ ان کے لئے ثواب ہوگا، ان کے
رب کے نزدیک اور نہ انھیں کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ
اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ
لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ

فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ
لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ
فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ
مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۔

(بقرہ ۲۷۸ - ۲۸۱)

" اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے۔ اسے چھوڑ دو۔ اگر تم ایمان والے ہو، پھر اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے، تو اشتہار سن لو، جنگ کا، اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے اور اگر تم توبہ کر لو گے، تو تم کو تمہارے اصل اموال مل جائیں گے، نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے، اور نہ تم پر کوئی ظلم کرنے پائے گا، اور اگر تنگ دست ہو۔ تو مہلت دینے کا حکم ہے، اور یہ بات معاف ہی کر دو تو اور زیادہ بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔ اور اس دن سے ڈرو۔ جس میں تم اللہ تعالیٰ کی پیشی میں لائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اس کے کئے ہوئے کا بدلہ پورا پورا ملے گا، اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہو گا "۔

جب فطرتِ سلیمہ نے یہ پکار سُنی، تو اسے محسوس ہوا کہ اسلام جس اقتصادی نظام کی جانب بلا رہا ہے، وہ سودی معیشت سے کہیں زیادہ بہتر ہے، باوجودیکہ معاشرے کا ایک نظام سے دوسرے نظام کی جانب انتقال انتہائی دشوار ہوا کرتا ہے۔ مگر فطرت کی لبیک واقعاتی زندگی اور سماج سے کہیں زیادہ طاقت ور اور با اثر تھی، کہ یک لخت سارا معاشرہ اس جاہلیت سے پاک ہو گیا، اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی اس سنت کے مطابق ہوا کہ جب بھی فطرتِ سلیمہ کو حق کی دعوت دی جائے گی، وہ ضرور لبیک کہے گی، اور سماجی بندھنوں کو توڑ کر حق کی طرف دوڑ پڑے گی۔

انسانیت کا انتظار

اس باب میں ہم نے سماج اور واقعاتی زندگی پر فطرت سلیمہ کے غالب آنے کی تین مثالیں پیش کی ہیں۔ "عقیدہ" — "رواج" — اور — اقتصاد — اور در اصل یہی تین امور سماجی زندگی کے سب سے گہرے رنگ ہیں، ان تینوں میں انقلاب و تغیر کا مطلب پوری سماجی زندگی کا انقلاب اور یکسر تبدیلی ہے۔

اسلام سماج اور واقعاتی زندگی کے سامنے سرنگوں نہیں ہوا۔ بلکہ اس نے سب کچھ تبدیل کر کے مضبوط گہری بنیادوں پر ایک نئی شان دار تعمیر کی ہے۔ اور جو انقلاب ایک مرتبہ برپا ہو سکتا ہے، وہ دوبارہ بھی ہو سکتا ہے۔

آج بھی انسانیت منتظر ہے۔ کہ کوئی اُٹھے، اور فطرتِ سلیمہ سے جاہلیت کی گندگیاں اور گرد و غبار دُور کر کے اُسے اسلام کے راستے پر گامزن کر دے۔

اِسلام — اور انسانیت کے تجربات

اسلام، فطرتِ سلیمہ کی لبیک سے پوری سوسائٹی اور حالات پر غالب آیا۔ ہرچند کہ فطرت صدیوں کے غلط عقائد، فرسودہ نظریات، اور جاہلی نظام کے بوجھ تلے دبی پڑی تھی، مگر اسلام کی پکار پر لبیک کہنے کے لئے اس نے اس سارے بوجھ کو اُتار پھینکا۔

پھر ایک عجیب دور آیا، عجیب نسل آئی، انسانی ترقی اپنی آخری بلندیوں تک پہنچ گئی، اور تاریکیوں میں روشنی ہی روشنی ہوگئی۔ اور یہ سب کچھ اللہ کی تدبیر اور انسانوں کی جدوجہد کے نتیجے میں ہوا۔ اور ایسی سُنّت کے مطابق ہوا، کہ جب بھی انسانیت اس سنت اللہ کا اتباع کرے گی یہ نتائج برآمد ہوسکیں گے۔

یہ سب کچھ نتیجہ تھا اس بات کا کہ فطرتِ سلیمہ کو ایک منہاج زندگی عطا ہوا۔ اسے قیادت ملی اور تربیت دی گئی، اور اس میں ایسی تحریک پیدا کی گئی کہ وہ سوسائٹی کے خلاف ایک بے پناہ قوت بن گئی۔

لیکن انسانیت اس بلندترین مقام پر مسلسل قائم نہیں رہ سکتی تھی، جس بلندترین مقام تک اللہ کی پسندیدہ جماعت پہنچ گئی تھی۔ چنانچہ جب اسلام ساری دنیا میں پھیلنے لگا، اور حکومت اسلامیہ کا رقبہ انتہائی وسیع ہوگیا تو تمام لوگوں کی تربیت اس پیمانے پر ممکن نہ رہی، جس پیمانے پر اوّلین جماعت کی ہوئی تھی۔ نتیجۃً عام لوگوں کے نفوس میں جاہلی اثرات باقی رہے، اور وہ اس بلندی تک نہ پہنچ سکے، جس بلندی تک اللہ کی پسندیدہ جماعت پہنچی تھی

اسی طرح درجہ بدرجہ اسلامی معاشرہ ایک ہزار سال تک قائم رہا، اور اسلامی تاریخ کا فروتر سے فروتر معاشرہ بھی جاہلی معاشروں سے بلندتر ہی رہا ہے۔ اور خود جاہلی معاشرے اسلام ہی سے سب کچھ اخذ کرتے رہے۔ اور یہ ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے۔ کہ خواہ اہل یوروپ اس حقیقت کو کتنا ہی چھپائیں، مگر نہیں چھپ سکتی۔

اِسلامی اصُول و اقدار

اسلام کا اوّلین تابناک دور اور اسلام کے ایک ہزار سال ابھی تک بے اثر نہیں ہوئے۔ ایسا ہونا سُنّت اللہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ انسانیت ہر دور اور ہر زمانے میں ایک اکائی ہے وہ اپنے سارے تجربے اور معرفت کو لئے آگے بڑھتی رہتی ہے۔ انسانیت پر خواہ کتنی ہی جاہلیت کی گرد جمتی رہے۔ اور اندھیریاں و تاریکیاں خواہ کتنا ہی طویل عرصہ گھیرے میں لئے رہیں، مگر انسانیت کے تجربات کا سرمایہ تو بہرحال باقی رہتا ہے۔

اگر اسلام کو اپنی آمد کے وقت فطرت سلیمہ کا سرمایہ میسر آیا تھا، تو آج کی انسانیت تو فطرتِ سلیمہ کے ساتھ ساتھ وہ تمام ذخیرۂ تاریخ بھی اپنے دامن میں رکھتی ہے۔ جب انسانیت نے اسلام کو قبول کیا تھا —— پھر کچھ لوگ ایمان لائے۔ کچھ اسلام کے زیرحکم اور زیرنگیں آئے۔ اور کچھ دور ہوتے ہوئے بھی خیر و بھلائی کی ان زبردست موجوں سے مستفیض

ہوتے رہے، اور دنیا کا وہ کونسا گوشہ ہے، جہاں اسلام کی زبردست موجیں نہیں پہنچیں —— ان امور کے ساتھ ساتھ اللہ کے راستے سے روگرداں ہو کر انسانیت جن تلخ ترین تجربات سے دوچار ہوتی ہے۔ وہ بھی سامنے ہیں

اسلام جو اصول و تصورات، جو اقدار اور تنظیمات لے کر آیا تھا، اس کی اس وقت انسانیت نے شدید ترین مخالفت کی تھی، کیونکہ اس وقت یہ اصول انسانیت کے لیے بالکل اجنبی تھے۔

یہ اصول و اقدار انسانوں کی ایک جماعت میں مرتکز اور جاگزیں ہو گئے پھر یہ اصول و اقدار پورے عالم اسلامی میں پھیل گئے، اور پھر ساری انسانیت ان سے متاثر ہوئی۔ یا بطور عمل اور تجربہ کے یا کم از کم علمی اور فکری لحاظ سے، اس لئے یہ اصول و اقدار انسانیت جدیدہ کے لیے ایسے اجنبی نہیں ہیں، جیسا کہ یہ اس وقت تھے، جب اسلام آیا تھا۔

بے شک انسانیت نے اسلام کا وہ ذائقہ نہیں چکھا، جو اسلام کی اولین جماعت نے چکھا تھا، اور ہر چند کہ انسانیت نے مختلف ادوار میں اسلام کے بعض اصولوں کو اپنایا ہے، مگر ان کی روح تک کبھی رسائی نہ ہو سکی۔

یہ سب کچھ درست سہی مگر انسانیت جدیدہ کم از کم فکری اور تصوری لحاظ سے اسلام سے اس قدر قریب ہے، کہ اس قدر قریب انسانیت کبھی نہیں رہی تھی، اور اسلام کو قبول کرنے کی صلاحیت اس وقت سے زیادہ رکھتی ہے جب اسلام انسانیت کے لیے قطعی اجنبی تھا۔

یورپ کی اصلاحی تحریکات اسلام سے متاثر ہیں

آگے ہم مثالیں دے کر بتائیں گے

کہ انسانیت پر آج بھی اسلام کے کس قدر گہرے اثرات موجود ہیں، اور آج بھی جا بجا اسلامی خصائص اپنی پوری قوت کے ساتھ موجود ہیں، اور یہ اثرات و خصائص اس قدر کثیر مقدار میں ہیں، کہ ان کا شمار دشوار ہے

اسلامی اثرات اور خصائص پوری انسانیت پر اس قدر ہمہ گیری اور گہرائی کے ساتھ چھائے ہوئے ہیں۔ کہ اس کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی، تاریخ انسانیت کے ہر ہر مرحلے پر کسی نہ کسی درجے میں یہ اثرات اپنی جھلک دکھاتے رہتے ہیں، اور حقیقت تو یہ ہے کہ تاریخ کی ہر بڑی تحریک بالواسطہ یا بلاواسطہ اسلام سے ضرور متاثر ہے۔

تصاویر کی حرمت

مارٹن لوتھر کی تحریک اصلاح، یورپ کی احیائے علوم کی تحریک، جاگیرداری نظام کے خلاف بغاوت اور آقاؤں (LORDS) سے آزادی کی تحریک، میگنا کارٹا کا اعلان، فرانسیسی انقلاب، اور علم و فن میں تجربی اسکول کا قیام —— یہ تمام تحریکات اسلام سے شدید طور پر متاثر ہیں،

احمد امین اپنی کتاب "ضحی الاسلام" میں لکھتے ہیں :-

آٹھویں صدی عیسوی میں ہی عیسائیوں میں ایسے خیالات پرورش پا چکے تھے۔ جن پر اسلام کا اثر تھا، چنانچہ سپٹمانیہ

(SEPTEMANIA) میں ایک تحریک اٹھی، جو پادری کے سامنے گناہوں کے اقرار سے منکر تھی، یہ لوگ کہتے تھے، کہ انسان کو اپنے گناہوں پر اللہ ہی سے استغفار کرنا چاہیئے، اور یہ بالکل اسلامی عقیدہ ہے۔

"آٹھویں اور نویں صدی عیسوی میں عیسائیوں کا ایک فرقہ تصاویر کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ چنانچہ رومی بادشاہ لیو ثالث نے ۷۲۶ء میں تصاویر کو مقدس ماننا اور ان کی تعظیم کرنا ممنوع قرار دے دیا، اور ۷۳۰ء میں اپنے ایک حکم میں تصاویر کی تعظیم کو بت پرستی قرار دیا، اس طرح تصاویر کی تقدیس ماننے والوں اور مخالفین میں کافی طویل نزاع جاری رہا، مؤرخین کہتے ہیں، کہ تصاویر کی مخالفت اسلام سے متاثر ہو کر کی گئی تھی، یہ بھی کہا جاتا ہے، کہ پادری کلوڈیوس جو تصاویر اور صلیبوں کو جلا دیا کرتا تھا، وہ اندلس میں پیدا ہوا تھا، اور وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی تھی۔"

جاگیرداری نظام کا خاتمہ

جب گیارھویں صدی عیسوی میں صلیبوں کے لشکر عالم اسلام سے واپس آئے، تو ان کے ذہنوں میں اسلامی معاشرے کی تصویر رچی بسی تھی، ہرچند کہ اسلامی معاشرہ بہت کچھ زوال آشنا ہو چکا تھا، مگر انہوں نے دیکھا کہ یہاں حاکم و محکوم سب ایک ہی قانون کے ماتحت ہیں، اور قانون بھی

ایسا کہ جس میں کوئی جاگیردار اور کوئی صاحب ثروت رد و بدل نہیں کر سکتا، انھوں نے دیکھا کہ یہاں پیشے اختیار کرنے اور اقامت اختیار کرنے کی شخصی آزادی حاصل ہے۔ یہاں انفرادی ملکیت اور اپنی محنت سے انتفاع کی اجازت ہے، یہاں کوئی طبقہ موروثی نہیں ہے۔ بلکہ ہر شخص اپنی ذاتی جد و جہد سے بلند تر مقام تک پہنچ سکتا ہے — معاشرے کی یہ صورت ایک مغربی کے لیے بڑی دلکش اور انوکھی صورت تھی، یورپ کے لوگ جو جاگیرداری نظام میں مالک زمین کے غلام بنے ہوئے تھے، اس اسلامی معاشرے سے شدید طور پر متاثر ہوئے۔ اور جاگیرداری نظام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔

غرض اسلامی اثرات اور کچھ اقتصادی عوامل مل کر جاگیرداری نظام کے خاتمہ کا سبب بن گئے، اور لوگ مالک زمین کی غلامی سے نکل گئے — مگر پھر بھی مغربی معاشرہ اسلامی معاشرے کے معیار تک نہ پہنچ سکا۔

تحریک احیائے علوم

اندلس کی یونیورسٹیوں، اسلامی تہذیب (جو اس وقت عالمی تہذیب تھی) اور مغربی زبانوں میں اسلامی لٹریچر کے ترجمے سے چودھویں صدی عیسوی میں تحریک احیائے علوم اٹھی۔

چنانچہ بریفالٹ اپنی کتاب تعمیر انسانیت (MAKING OF HUMANITY) میں لکھتا ہے:۔

"اسلامی تہذیب نے دنیائے جدید کو علم سے نوازا ہے۔ اسلامی تہذیب کی پختگی میں کافی وقت لگتا ہے۔ چنانچہ اندلس میں جس ثقافت کے بیج مسلمانوں نے اپنے دورِ اقتدار میں بوئے تھے۔ وہ ان کے زوال کے بعد برگ و بار لائے۔

یوروپ کو صرف علم ہی کے ذریعہ زندگی نہیں ملی، بلکہ اسلامی تہذیب کے چند در چند اثرات مغربی زندگی پر پڑے ہیں، بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا، کہ مغربی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے۔ جو اسلامی ثقافت سے متاثر نہ ہوا ہو، اسلامی تہذیب کے اثرات ہی ہیں، جن سے تمام تر قوت و طاقت ملی ہے، اور وہ سرچشمہ ہاتھ آگیا ہے، جس سے سارے طبعی علوم پھوٹے اور علمی بحث کی گویا روح ہاتھ آگئی۔"

"صرف یہی نہیں کہ اہلِ عرب سے ہمیں چند علمی نظریات مل گئے اور بس، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہماری تہذیب کا وجود ہی اسلامی تہذیب کا ممنون ہے۔ کیونکہ اسلام سے قبل علوم کا کوئی خاص وجود نہ تھا، چنانچہ علم نجوم اور ریاضیات یونان کے اپنے علوم نہ تھے، بلکہ انھوں نے غیر اقوام سے اخذ کئے تھے۔ یہ علوم کبھی بھی یونانی ثقافت سے ہم آہنگ نہ ہو سکے، اہلِ یونان نے احکام و نظریات بیان تو کئے۔ مگر ایجابی معلومات کا جمع کرنا، علم کے مفصل طریقے متعین کرنا

اور تجربی بحث کرنا، یہ سب باتیں یونانی مزاج سے لگا نہیں کھاتی تھیں، ہم جس چیز کو آج علم کہتے ہیں، وہ تو مسلمانوں نے ہی ہم کو دیا ہے۔"

"روجر بیکن نے عربی زبان اور عربی علوم آکسفورڈ میں اندلس کے عرب اساتذہ کے شاگردوں سے حاصل کئے۔ روجر بیکن اور فرانسس بیکن کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ تجربی علم ان کی جانب منسوب کیا جائے۔ انہوں نے تو صرف مسلمانوں کے علوم کو مغرب تک پہنچایا ہے۔ اور خود روجر بیکن نے اعتراف کیا ہے۔ کہ عربی زبان اور اسلامی علوم کا حصول ہی علم کا واحد ذریعہ ہیں تجربی منہاج کے واضع کے بارے میں یوروپ نے ساری دُنیا کو زبردست دھوکا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ بیکن کے زمانے میں مسلمانوں کا تجربی مزاج ساری دُنیا میں پھیل چکا تھا۔"

"روجر بیکن نے اندلس کی اسلامی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کی، بصریات کے بارے میں اس کی (CEPUS MAJUS) ابن ہیثم کی المناظر کا ترجمہ ہے۔"

نیو یارک یونیورسٹی کے پروفیسر ڈریپر اپنی کتاب کش مکش ں و مذہب میں لکھتے ہیں:—

"مسلمان علماء نے یہ بات ثابت کردی تھی کہ عقل اور نظری طریقۂ کار ترقی کا ضامن نہیں ہے، حقیقت کا ادراک مشاہدہ

حوادث پر موقوف ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کی بحث کا طریقہ تجربی تھا"!

"مسلمانوں کے دور میں صنعتوں کو جو ترقی ہوئی وہ اسی عملِ حرکت کا نتیجہ تھی، حیرت کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی تالیفات میں وہ افکار ملتے ہیں، جو آج کے نتائج تحقیق خیال کئے جاتے ہیں، چنانچہ مسئلہ ارتقاء مسلمانوں کے مدارس میں پڑھایا جاتا تھا، ان کے یہاں علم کیمیا اور علم طب کی تعلیم ہوتی تھی۔ اور میکانیکیات میں اس قدر ترقی کی تھی، کہ متوسط اجسام کے قوانین وضع کر لئے گئے تھے، روشنی اور نظر کے بارے میں انہوں نے اہلِ یونان کی اس رائے کو رد کر دیا تھا، کہ نظر سے روشنی نکل کر جسم پر پڑتی ہے، اور جسم نظر آتا ہے۔ بلکہ انہوں نے اس کے برعکس رائے اختیار کر لی تھی مسلمان انعکاس شعاع سے بھی واقف تھے، اور ابن ہیثم نے وہ منحنی شکل دریافت کر لی تھی، جس پر شعاع فضا میں سفر کرتی ہے۔ ابنِ ہیثم نے یہ ثابت کر دیا تھا، کہ ہم سورج و چاند کو ان کے طلوع سے پہلے ہی دیکھنے لگتے ہیں، ایسے ہی ہم انہیں غروب کے بعد بھی کچھ دیر دیکھتے رہتے ہیں"!

تہذیبِ جدید کی شکستہ عمارت

مندرجہ بالا مثالوں سے اس امر کی جانب مجمل سا اشارہ کرنا مقصود ہے

کہ اسلام نے انسانی تاریخ اور عالمی تحریکات پر کیا اثرات مرتب کئے ہیں۔ اور آج ہمارے سامنے تہذیب جدید کی گرتی ہوئی عمارت بھی ہے جس کے بارے میں ہم بڑی سادگی سے خیال کرتے ہیں، کہ اس میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور یہ تہذیب ہماری تاریخ سے کہیں بڑھ کر ہے۔ پھر دشمنانِ اسلام اسلامی نظامِ زندگی کے بارے میں مایوسی اور ناامیدی پھیلا رہے ہیں۔ کیونکہ وہ اس طرح اس کی باز واپسیں سے بچنا چاہتے ہیں، اور اس بات سے خوف زدہ ہیں، کہ کہیں اسلام کو عالمی قیادت نہ مل جائے۔

اگلے باب میں ہم اسلام کی وہ زندۂ جاوید خصوصیات بیان کر رہے ہیں جو انسانیت میں آج تک موجود ہیں، اور جن کی اساس پر انسانیت جدید اسلام کو اپنانے کی زیادہ قدرت رکھتی ہے۔ اور فطرتِ سلیمہ کے ساتھ ساتھ اسلامی خصائص کی موجودگی قبولِ اسلام کا ایک مزید سبب ہے!

اسلام — کی زندۂ جاوید خصوصیات

جب اسلام کا اقتدار دُنیا سے اُٹھ گیا، اور جاہلیت نے روئے ارض کی زمام سنبھال لی، اس وقت بھی اسلام انسانی زندگی سے بالکلیہ خارج نہیں ہو گیا، بلکہ آج تک انسانیت اسلام کے شاندار اصولوں کو بدستور اپنائے ہوئے ہے۔

انسانیتِ واحدہ

اسلام سے قبل جزیرہ نمائے عرب قبائلی اور خاندانی عصبیتوں اور ساری دنیا وطن، رنگ اور نسل کی عصبیتوں کا گہوارہ بنی ہوئی تھی۔

اسلام نے ان عصبیات کے برخلاف "انسانیت واحدہ" کا تصور دیا، اور بتلایا کہ تمام انسانوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے، اور سب اس کے بندے ہیں۔ اور رنگ و نسل اور کنبوں اور قبیلوں کے اختلاف جنگ وجدل کے لئے نہیں بلکہ باہمی تعارف اور الفت کے لئے ہیں، اور اس لئے ہیں، تاکہ امور خلافت انسانوں میں تقسیم ہو سکیں، اور ان سب انسانوں کو دوبارہ اپنے خالق کی جانب لوٹ جانا ہے۔

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ - (حجرات ۱۳)

"اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں، اور مختلف خاندان بنایا ہے، تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو اللہ کے نزدیک تم میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو"

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ

نِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا (نساء - ۱)

"اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تم کو ایک جان دار سے پیدا کیا، اور اس جان دار سے اس کا جوڑا پیدا کیا، اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں پھیلائیں، اور تم خدا تعالیٰ سے ڈرو، جس کے نام سے ایک دوسرے سے سوال کیا کرتے ہو، اور قرابت سے بھی ڈرو، بالیقین اللہ تعالےٰ تم سب کی اطلاع رکھتے ہیں"۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ (روم - ۲۲)

"اور اسی کی نشانیوں میں سے آسمان اور زمین کا بنانا ہے، اور تمہارے لب ولہجہ اور رنگتوں کا علیحدہ علیحدہ ہونا ہے۔ اس میں دانش مندوں کے لئے نشانیاں ہیں"۔

یہ اصول صرف نظریاتی نہیں تھے، بلکہ معاشرے کی عملی روشیں تھیں جب اسلام ساری دنیا میں پھیلا ہوا تھا، تو متعدد نسلیں اور متعدد قومیں اسلامی معاشرے میں ضم ہو گئی تھیں، کوئی رنگ و نسل کا امتیاز باقی نہیں رہ گیا تھا، بلکہ سب کے سب ایک سوسائٹی کے افراد اور آپس میں بھائی بھائی تھے، اور ہر شخص کو یہ حق حاصل تھا، کہ وہ اپنی فطری صلاحیتوں اور انسانی صفات کے بل بوتے پر معاشرے میں اپنا مقام پیدا کر سکے۔

اسلام کی یہ خصوصیت باوجود اجنبی ہونے کے اور باوجود اسلام کے زوال آشنا ہوجانے کے آج بھی انسانیت کے نفوس میں جاگزیں ہے۔

بے شک آج کی انسانیت وہ عالمی اخوّت قائم نہیں کرسکتی جو اسلامی جماعت نے قائم کی تھی، بے شک رنگ ونسل کی بے شمار عصبیتیں آج بھی موجود ہیں۔ اور بے شک رنگ دار نسلیں مغربی ممالک میں سخت تکالیف سے دوچار ہیں۔

مگر ان سب باتوں کے باوجود انسانیت واحدہ، کا نعرہ بہت سی زبانوں پر ہے، اور اسلام کی یہ خصوصیت انسانیت کے سامنے مستقل موجود ہے

اگرچہ اسلام صفحۂ دنیا سے سمٹ کر علیحدہ ہوچکا ہے، مگر اس اسلامی خصوصیت کی موجودگی اسلام کی بازآمد کے لئے یقیناً مددگار ہوگی۔ کیونکہ کم از کم اس خصوصیت کی حد تک اسلام انسانیت کے لئے اجنبی نہ ہوگا۔

انسانی شرافت

جب اسلام آیا، تو انسانی شرافت چند طبقوں کے لئے مخصوص تھی، اور باقی تمام انسان بے وزن اور بے قدر غبارِ راہ تھے۔

اسلام نے اعلان کیا، کہ اِنسان کی شرافت کا معیار اس کی "انسانیت" ہے۔ اور رنگ ونسل ثروت ومنصب انسانی شرافت کا معیار نہیں ہیں۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ

عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا۔

(اسراء ۷۰)

اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی، اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں سوار اور نفیس نفیس چیزیں ان کو عطا کیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فوقیت دی۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (بقرہ ۔ ۳۰)

اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا، میں زمین میں اپنا خلیفہ بنا رہا ہوں۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (بقرہ ۳۴)

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا، آدم کو سجدہ کرو، تو سب نے سجدہ کیا۔ سوائے ابلیس کے، اس نے انکار کیا، اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہوگیا۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ (جاثیہ ۱۳)

جتنی چیزیں آسمانوں میں ہیں، اور جتنی چیزیں زمین میں ہیں۔ ان سب کو اپنی طرف مسخر بنالیا۔

اس اعلان کے بعد انسانیت کو علم ہوا، کہ اللہ کے یہاں انسان کی ذات ہی مستحق شرافت وکرامت ہے، اور اس شرافت میں رنگ ونسل ذات

اور قوم کی کوئی تفریق نہیں، بلکہ ہر اللہ کا بندہ مکرم اور معزز ہے۔

یہ اصول صرف نظریات نہیں تھے، بلکہ اسلامی جماعت کی عملی زندگی میں رچ بس گئے تھے، اور جہاں جہاں اسلام پہنچا، عام لوگوں نے محسوس کر لیا، کہ وہ بھی صاحب عزت ہیں، ان کے بھی حقوق ہیں، اور انہیں بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے امراء اور حکام کا حساب لیں، اور کسی بھی قیمت پر ذلت اور جبر کو تسلیم نہ کریں۔

یہ قوانین حریت در اصل "انسان" کا احیائے نو تھے۔ کیونکہ جس انسان کے کوئی حقوق نہ ہوں، اور جس کی کوئی عزت نہ ہو، وہ انسان ہی کیا؟ اسلام نے یہ تمام حقوق، حریت اور آزادی انسان کی ذات سے کبھی جدا نہ ہونے والے حصے بنا دیئے تھے۔

چنانچہ:۔

حضرت ابو بکر رض خلیفہ متعین ہوئے، تو بھرے مجمع میں فرمایا:۔

"میں تمہارا والی بنا ہوں، اور میں تم سے کوئی بہتر نہیں ہوں اگر میں اچھا کام کروں، تو میری حوصلہ افزائی کرو، اور اگر غلط کروں تو اصلاح کر دو، اور جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا رہوں۔ جب تک تم بھی میری اطاعت کرو۔ ورنہ تم میری اطاعت سے آزاد ہو"۔

حضرت عمر رض نے فرمایا:۔

"اے لوگو! میں تمہارے پاس کارندے اس لئے نہیں بھیجوں گا،

کہ وہ تمہیں ماریں، اور تمہارے مال لیں، میں تو اس لئے بھیجوں گا کہ وہ تمہیں تمہارا دین سکھلائیں، اگر کوئی کارکن غلط کام کرے تو میرے پاس شکایت کی جائے۔ تو میں اس کا بدلہ دلاؤں گا"۔

اس پر عمرو بن العاص رض بولے۔ اے امیر المؤمنین اگر کوئی حاکم بطور تادیب کسی شخص کو سزا دے، آپ اس کا بھی قصاص لائیں گے حضرت عمر رض نے فرمایا "قسم بخدا میں اس کا بھی قصاص دلاؤنگا"

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا

"لوگوں کو مار کر ذلیل نہ کرو، گھروں سے دُور بھیج کر ناراض نہ کرو، ان کے حقوق غصب کر کے ان کو کفر پہ مجبور نہ کرو"۔

حضرت عثمان رض نے مختلف شہروں کے حکام کو تحریر فرمایا:۔

"میں حج کے دنوں میں اپنے تمام عمال سے باز پرس کروں گا میں نے ان عمال کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے مقرر کیا ہے۔ عمال کی میرے پاس جو بھی شکایت آئے گی، میں اسے دُور کروں گا، جس کا جو کوئی حق مجھ پر یا میرے عمال پر ہے وہ حج کے دنوں میں مجھ سے وصول کرے"۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ تمام امور صرف نظریاتی اصول نہیں تھے، بلکہ معاشرے میں جاری و ساری قواعد تھے —— اس قبطی کے واقعہ کو لے لیجئے جس کے بیٹے نے حضرت عمرو بن العاص رض گورنر مصر کے صاحبزادے کے ساتھ دوڑ لگائی، اور آگے نکل گیا، اس پر حضرت عمرو بن العاص رض کے صاحبزادے

نے اُسے مار دیا، تو اس کا باپ حضرت عمرؓ سے شکایت کرنے آیا اس پہ حضرت عمرؓ نے تمام مسلمانوں کے سامنے حضرت عمرو بن العاصؓ سے قصاص دلایا۔

مؤرخین اس واقعہ پہ حضرت عمرؓ کے عدل و انصاف کی تعریف کرکے جاتے ہیں، حالانکہ یہ تو آزادی و حریت کی ایک ایسی زبردست موج تھی جو ہر انسان کے دل میں پیدا ہو گئی تھی —— حالانکہ مصر ابھی نیا نیا فتح ہوا تھا، اور یہ قبطی ابھی تک اپنے سابقہ مذہب کا متبع تھا، اور حضرت عمرو بن العاصؓ مصر کے فاتح اور گورنر تھے جبکہ اسلام سے قبل جب رُومی یہاں حکمراں تھے، تو انہوں نے اپنے کوڑوں سے لوگوں کی کھالیں اُدھیڑ ڈالیں تھیں، اور شاید خود اس قبطی کی کمر پر کوڑوں کے نشانات موجود ہوں۔

لیکن آزادی کی جو لہر اسلام کے ذریعے اُٹھی تھی، اس نے اس قبطی کو رُومی کوڑوں کی مار بھلادی، اور اسے آزاد اور معزز انسان بنا دیا جو اس بات پر غضب ناک ہو گیا، کہ امیر کے بیٹے نے اس کے بیٹے کو کیوں مارا؟ اور اسے اپنے بیٹے کی عزت کا اس قدر خیال ہوا کہ اونٹ پر سوار ہو کر (گاڑی، یا موٹر نہیں) صحرا کا سفر طے کرکے مصر سے مدینہ پہنچا تاکہ خلیفہ سے شکایت کرے۔ اس خلیفہ سے شکایت کرے —— جس نے اسے اسلام کے جھنڈے تلے آنے کے بعد آزاد کر دیا تھا، اور جس نے اُسے اس کی انسانی شرافت یاد دلائی تھی، جو وہ رُومی کوڑوں کی مار سے بھول گیا تھا۔

اسلام نے جو آزادی و حریت انسان کو عطا کی ہے، مندرجہ بالا واقعہ سے اس کی گہرائی کا اندازہ لگانا چاہیئے۔ کیونکہ مسئلہ صرف اتنا نہیں ہے۔ کہ حضرت عمرؓ عادل تھے۔ اور ان کے عدل تک کسی انسان کی رسائی نہیں ہو سکتی، بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا عدل جس اسلام سے ماخوذ تھا، اس اسلام نے انسانی آزادی اور انسانی شرافت و کرامت کا کس قدر عظیم سرچشمہ جاری کیا تھا، جس سے ساری انسانیت مستفیض ہوئی

بے شک انسانیت اس معیار بلند تک کبھی بھی نہیں پہنچی مگر اسلام نے انسانی حریت و شرافت کے جو اثرات پوری انسانیت پر تقسیم کئے انہی اثرات نے اسے "حقوق انسانیت" کے اعلان پہ مجبور کیا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ اس اعلان سے انسانیت کو کوئی عظیم فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ اور انسانیت ابھی تک ذلت، عذاب، اور حقارت سے دوچار ہے —— اور یہ بھی صحیح ہے کہ بعض جدید نظریات انسان کو مشین کے ایک پرزے سے زیادہ قیمت دینے کے لئے تیار نہیں ہیں، اور وہ چاہتے ہیں کہ انسانی حریت و شرافت، پیداوار، زرِ مبادلہ اور عالمی منڈی میں مسابقت کی بھینٹ چڑھ جائے۔

یہ سب کچھ دُرست سہی، مگر انسانی حریت کا تصور تو بہرحال قائم ہے۔ اور لوگ اس کے ادراک اور تصور پر قادر تو ہیں۔ اور اگر اللہ کے حکم سے اسلام آیا، تو وہ اس کے قبول کے لئے تیار تو رہیں گے۔

اُمّتِ وَاحدہ

جب اِسلام آیا تو لوگ نسل، خاندان اور مصلحتوں کی ایسی عصبیتوں پر جمع ہوا کرتے تھے۔ جن کا جوہرِ انسان سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

اِسلام نے اعلان کیا، کہ رنگ و نسل، نسب وطن اور مصالح و منافع انسانیت کے جامع نہیں ہیں، بلکہ انسانیت کا جامع عقیدہ ہے اور لوگوں کا اپنے پالن ہار سے رشتہ اور تعلق ہے۔ کیونکہ اسی تعلق سے انسانوں کو انسانیت ملی ہے۔ اِس لئے یہی تعلق دنیا و آخرت میں ان کے انجام کا تعین کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں جو رُوح پھُونکی ہے اسی نے اسے انسان بنایا ہے۔ اور اسی سے انسان اس قدر مکرم و معزز ہوا، کہ کائنات اس کے لئے مسخر کر دی گئی ہے — اور یہی وُہ بنیاد ہے۔ جس پر انسانیت جمع ہو۔ کیونکہ عقیدہ رُوحِ انسانی کی سب سے لطیف خصوصیت ہے۔ اس لئے عقیدہ ہی انسانیت کا جامع ہے۔

اور ساری روئے زمین میں انسانوں کے دو ہی گروہ ہیں۔ ایک حزب اللہ اور ایک حزب الشیطان جو لوگ اللہ کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں، وہ حزب اللہ ہیں، اور اس کے سوا باقی ہر رنگ و نسل اور ہر گروہ کے لوگ شیطانی پارٹی ہیں۔

اور امت ایک عقیدے کے ماننے والوں کا نام ہے۔ اگر عقیدہ نہیں ہے تو امت بھی نہیں ہے۔ اور رنگ و نسل، زبان و وطن اور مصلحتوں کے جامعات امت کی تشکیل کے لئے قطعاً کوئی سبب نہیں ہیں۔

عقیدہ تو قلب و دماغ میں رچ بس جاتا ہے۔ زندگی اور کائنات کی تعبیر کرتا ہے اور انسان کا تعلق اس پالن ہار سے قائم کرتا ہے۔ جس کے نفخۂ رُوحانی نے اسے انسان بنایا ہے۔ اور اسے بہائم سے ممتاز کر دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر رنگ و نسل اور ہر زمین و وطن کے مؤمنین کو مخاطب فرما کر یہی کہا ہے :-

إِنَّ هَٰذِهِۦٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَٰحِدَةً وَأَنَا۠ رَبُّكُمْ فَٱعْبُدُونِ (انبیاء ۹۲)

یہ تمہاری امت ایک اُمّت ہے۔ اور میں تمہارا رب ہوں۔ پس تم میری عبادت کرو۔

نیز اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے درمیان عقیدے کی بنیاد پر فرق فرمایا ہے خواہ ان میں آپس میں خاندان و نسل کے کیسے ہی تعلق کیوں نہ ہوں۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ يُوَآدُّونَ مَنْ حَآدَّ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَوْ كَانُوٓا۟ ءَابَآءَهُمْ أَوْ أَبْنَآءَهُمْ أَوْ إِخْوَٰنَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ كَتَبَ فِى قُلُوبِهِمُ ٱلْإِيمَٰنَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِىَ ٱللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا۟ عَنْهُ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ حِزْبُ ٱللَّهِ ۚ أَلَآ إِنَّ حِزْبَ ٱللَّهِ

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (مجادلہ - ۲۲)

جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہیں، جو اللہ اور رسُول کے برخلاف ہیں، گو یا وُہ یا ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا اُن کے بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہوں، ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے، اور ان کے قلوب کو اپنے فیض سے قوت دی ہے۔ اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اور جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالےٰ ان سے راضی ہوگا، اور وُہ اللہ سے راضی ہوں گے یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں، خوب سُن لو کہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے"۔

اللہ کے راستے میں جہاد کا اللہ تعالےٰ نے ایک ہی سبب قرار دیا ہے۔ اور مومنین اور کافرین کے مقصد جنگ کو اس طرح واضح فرمایا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْآ اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا۔ (نساء ۷۶)

جو لوگ پکے ایمان دار ہیں، وہ تو اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں، اور جو لوگ کافر ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں تو تم شیطان کے ساتھیوں سے

جہاد کرو، واقعی شیطانی تدابیر کمزور ہوتی ہیں۔

اسلام جس وقت آیا۔ اس وقت لوگوں کے لیے یہ بڑی عجیب بات تھی، کہ لوگ عقیدے پر جمع ہوں۔ اور رنگ و نسل اور قوم و وطن انسانیت کے جامع نہ رہیں، بے شک اس وقت یہ بہت ہی حیرت انگیز بات تھی، مگر آج پھر انسانیت "نظریہ" پر جمع ہو رہی ہے۔

بے شک انسانیت اللہ کے بتائے ہوئے عقیدے پر جمع نہیں ہو رہی ہے۔ بلکہ اقتصادی اور اجتماعی نظریات پر جمع ہو رہی ہے، کیونکہ انسانیت اپنے زوال کے اس دور میں عارضی مصلحتوں کو مستقل اور دیرپا مصالح پر ترجیح دیتی ہے۔ مگر بہرحال انسانیت اس مرحلے تک تو آہی گئی، کہ انسانیت کا جامع ایک فکر ایک نظریہ، اور معنوی تعلق ہو سکتا ہے۔

یہ در اصل ایک ارتقاء ہے۔ اور انسانیت یقیناً اسلام کی پکار سُن کر اس سے زیادہ آگے بڑھے گی۔ اور اللہ کے بتائے ہوئے عقیدے پر جمع ہوگی، اور اپنی فطرتِ سلیمہ کو اساس بنا کر ارتقاء کے اعلیٰ ترین مدارج تک پہنچ جائے گی! اور جب اسلام کی باز آمد کا دور آئے گا تو یہ ارتقاء مکمل ہو جائے گا۔

احساس ذمہ داری اور اخلاق

اسلام نے انسانیت کا جامع عقیدے کو قرار دیا ہے مگر عقیدے کو لوگوں پر جبر اور زیادتی کا ذریعہ نہیں بنایا۔ بلکہ اللہ تعالےٰ نے جہاد فرض فرمایا ہے

تاکہ روئے زمین پر اسلام قائم ہو سکے۔ اور لوگ اپنے عقیدے اور مذہب کی پوری پوری آزادی کے ساتھ عدل و انصاف سے پوری طرح بہرہ ور ہو سکیں۔

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ
مِنَ الْغَيِّ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَ يُؤْمِنْ
بِاللهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ
لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۔ (بقرہ ۲۵۶)

دین میں زبردستی نہیں، ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔ سو جو شخص شیطان سے بد اعتقاد ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے۔ تو اس نے مضبوط حلقہ تھام لیا، جس کو کسی طرح شکستگی نہیں ہو سکتی، اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں، خوب جاننے والے ہیں

جس حصۂ زمین پر اسلام کی حکمرانی ہو، وہ دارالاسلام ہے۔ خواہ اس میں بسنے والے بہت سے لوگ اسلام پر ایمان نہ رکھتے ہوں۔ اور جہاں اسلام کی حکمرانی نہیں ہے، وہ دارالحرب ہے۔ خواہ اس میں بسنے والے بعض لوگ اسلام پر ایمان رکھتے ہوں

پھر دارالاسلام کا اگر دارالحرب سے کوئی معاہدہ ہے، تو اس کی پابندی لازم ہے۔ اس میں کسی قسم کا عذر یا خیانت نہیں ہو سکتی، اِلّا یہ کہ معاہدہ کی مدت پوری ہو جائے، یا دشمن خود معاہدے کو توڑ ڈالے۔
یا اگر کوئی وقتی معاہدہ ہے۔ تو اسے دشمن کی خیانت کے ڈر سے توڑا

جا سکتا ہے۔ اور اس کے لئے دشمن کو پہلے سے باخبر کرنا ضروری ہے۔
یا پھر تیسری صورت جنگ کی ہے۔ جنگ کے لئے متعدد قیود اور ذمہ داریاں ہیں۔ جس میں اگر کافر جزیہ دینے اور اسلام کی حکمرانی قبول کرنے پر راضی ہو جائیں، تو مسلمانوں کو ان کی ذمہ داری قبول کرنا ہوگی۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا
يُؤْمِنُونَ الَّذِينَ عَاهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُونَ
عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ
فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَنْ
خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ وَ إِمَّا تَخَافَنَّ
مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ
إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ
كَفَرُوا سَبَقُوا إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ وَأَعِدُّوا
لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ
تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ
مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللهُ يَعْلَمُهُمْ
وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللهِ يُوَفَّ
إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ وَإِنْ جَنَحُوا
لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ
إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (انفال ۵۵-۶۱)

بلاشبہ بدترین خلائق اللہ کے نزدیک یہ کافر لوگ ہیں جن کی یہ کیفیت ہے۔ کہ آپ ان سے کئی بار عہد لے چکے ہیں، مگر ہر بار وہ اپنے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں، اور وہ ذرا نہیں ڈرتے، سو اگر آپ لڑائی میں ان لوگوں پر قابو پالیں، تو اُن پر حملہ کر کے ان کے ذریعے سے اور لوگوں کو جو ان کے علاوہ ہیں منتشر کر دیجیے۔ تاکہ وہ لوگ سمجھ جاویں، اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو، تو آپ اور وہ برابر ہو جائیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ اور کافر لوگ اپنے کو یہ خیال نہ کریں، کہ وہ بچ گئے۔ یقیناً وہ لوگ خدا کو عاجز نہیں کر سکتے، اور ان کافروں کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان دُرست رکھو، اور اس کے ذریعے سے تم اپنا رعب جمائے رکھو، ان پر جو کفر کی وجہ سے اللہ کے دُشمن ہیں، اور تمہارے دُشمن ہیں، اور اُن کے علاوہ دُوسروں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے اللہ ہی جانتا ہے، اور اللہ کی راہ میں جو خرچ کرو گے، تم کو پُورا پُورا دیا جائے گا، اور تمہارے لئے کچھ کمی نہ ہوگی، اور اگر وہ صلح کی جانب جھکیں، تو آپ بھی اس طرف جھک جائیے، اور اللہ پر بھروسہ رکھیے وہ خوب سُننے والا اور جاننے والا ہے۔

اسلام نے وفاءِ عہد کی بڑی سخت تاکید کی ہے۔ اور اس سلسلہ میں

"قومی مصلحت کو باطل قرار دیا ہے۔"

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا
الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ
كَفِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ
نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ
دَخَلًا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ
اُمَّةٍ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ.

(النحل پ ۱۴ آیت ۹۱-۹۲)

"اور تم اللہ کے عہد کو پُورا کرو، جب کہ تم اس کو اپنے ذمّہ کر لو، اور قسموں کو بعد ان کے مستحکم کرنے کے نہ توڑو، اور تم اللہ تعالیٰ کو گواہ بھی بنا چکے ہو، بے شک اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ جو تم کرتے ہو، اور تم اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ، جس نے سوت کات کر نوچ ڈالا، تم بھی اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ بنانے لگو۔ محض اس وجہ سے کہ ایک گروہ دُوسرے گروہ سے بڑھ جائے۔ بس اس سے اللہ تعالیٰ تمہاری آزمائش کرتا ہے اور جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے رہے قیامت کے دن ان سب کو تمہارے سامنے ظاہر کر دے گا"

پھر اگر جنگ ناگزیر ہو جائے، تو مسلمانوں کو ممانعت ہے کہ وہ بچوں، بوڑھوں

اور عورتوں کو قتل کریں - کھیتیاں جلائیں، جانور تباہ کریں، اور کسی انسان کے ہاتھ پیر ناک، کان کاٹ ڈالیں، غرض مسلمان صرف اپنے مقابل آنے والے مسلح نوجوانوں سے لڑ سکتے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے لشکرِ اسامہؓ کو یہ نصیحت فرمائی تھی، "خیانت اور غدر نہ کرنا، کسی کا مُثلہ نہ کرنا۔ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا کسی درخت کو نہ جلانا، کسی پھل دار درخت کو نہ کاٹنا۔ کسی جانور کو بلاضرورت ذبح نہ کرنا۔ اور عبادت گاہوں میں گوشہ نشین لوگوں کو کچھ نہ کہنا۔"

یہاں دارالاسلام اور دارالحرب کے معاملات بیان کرنا مقصود نہیں ہیں، بلکہ بتانا یہ ہے۔ کہ اسلام نے متحارب اقوام کے لئے کیا قوانین وضع کئے ہیں۔ جبکہ ان کا سرے سے کوئی وجود نہیں تھا بلکہ جس کے پاس قوت و طاقت تھی، اس کے لئے سب کچھ حلال تھا، اور مغلوب کے لئے کوئی حق نہیں تھا۔

انسانیت نے اسلام کے قانون دُوَلی کو فراموش نہیں کیا - بلکہ سترھویں صدی میں اس کی جانب پیش قدمی شروع ہوئی - بین الاقوامی قوانین پر مدلل گفتگو کا آغاز ہوا - اور عالمی قوانین کے نفاذ کے لئے تنظیمیں قائم ہوئیں - جو ابھی تک کامیابی اور ناکامی کے درمیان لٹکی ہوئی ہیں -

اِس لئے - اسلام کے بین الاقوامی قوانین آج اس قدر اجنبی نہیں ہیں جس قدر اس وقت اجنبی تھے - جب اسلام آیا تھا -

یہ درست ہے، کہ آج انسانیت اس معیار تک نہیں پہنچی جس معیار

تک اوّلین اسلامی جماعت پہنچی تھی -

یہ بھی دُرست ہے - کہ عالمی قوانین میں دوبارہ حیوانیت عود کر آئی ہے - اور بعض مغربی قوانین میں اعلانِ جنگ کی شرط ختم کردی گئی - اور معاہدات توڑنے کی اجازت دے دی گئی ہے -

اور یہ بھی دُرست ہے - جنگ و صلح میں کارفرما مقاصد قوموں کی اپنی مصلحتیں لوٹ مار اور عالمی منڈیاں ہوتی ہیں - اور ابھی انسانیت فکرو عقیدے میں خیر اور عدل کے اس بلند افق تک نہیں پہنچی - جو اسلامی جہاد کے مقاصد ہیں -

یہ سب کچھ دُرست سہی - مگر بین الاقوامی معاملات میں کسی قانون کی ابتداء تو ہوئی - جس بین الاقوامی تعامل کی بنیاد اسلام نے رکھی تھی - اور جسے اُس نے انسانی زندگی میں سمو دیا تھا -

اَب اگر انسانیت کے سامنے اسلام آئے، تو اس کے لئے اسلام کا بین الاقوامی قوانین کا حصہ اجنبی نہیں ہوگا - اگرچہ جاہلیت کی گندگیوں میں لتھڑی ہوئی انسانیت ایک عرصے تک اسلامی قوانین کی بلند ترین اخلاقی بنیادیں محسوس نہ کر سکے گی - مگر بہرحال اسلام انسانیت کے لئے اجنبی نہ ہوگا - اور جب اسلام نے اپنی آمد کے وقت صرف فطرتِ سلیمہ پر اعتماد کیا تھا - اب اپنی نشاۃ ثانیہ کے وقت فطرتِ سلیمہ کے ساتھ ساتھ انسانیت کے تجربات پر بھی اعتماد کرے گا - ؟

دینِ اسلام

اس مختصر سے تعارف میں انسانیت پر مرتسم ہونے والے اسلام کے اثرات کا مفصل جائزہ لینا دشوار ہے، پھر بھی چند اُن بنیادی خصوصیات (اثرات) کا تذکرہ کر دیا ہے، جن کے انسانیت پر گہرے اثرات ہیں، خواہ وُہ اثرات اب مندمل ہو کر اپنی اصل سے منحرف ہو چکے ہیں، اور اس بلند مقام پر باقی نہیں رہے ہیں جس بلند مقام پر اُنہیں اسلام نے پیش کیا تھا، مگر —— بہرحال - یہ چند مثالیں انسانیت میں پھیلے ہوئے متعدد اثرات کی نشان دہی کرتی ہیں۔

بھٹکی ہُوئی اِنسانیت

آخر میں ایک بات یہ عرض کرنی ہے کہ دورِ جدید میں اِسلام کی آمد کے واضح امکانات اور اِنسانیت میں اسلام کی قبولیت کے اثرات دیکھ کر اسلامی تحریک کے داعیوں کو بے فکر نہ ہو جانا چاہیے۔ کہ بس اِس راہ کی تمام رکاوٹیں دُور ہو گئیں، رکاوٹیں اب بھی بیشمار ہیں، اور راستہ اب پہلے سے بھی زیادہ کٹھن ہے، آج اِنسانیت اللہ سے بھٹک کر بہت دُور نکل چکی ہے!

آج فطرتِ سلیمہ پر جاہلیت کا بوجھ بہت زیادہ ہو چکا ہے! اور فطرت جاہلیت کی جکڑ بندیوں میں پابہ زنجیر کھڑاتی پھر رہی ہے..... کیونکہ قدیم

جاہلیتیں سادگی اور طفولیت کی حامل ہُوا کرتی تھیں، جبکہ آج کی جاہلیت علم سے آراستہ اور پیچیدگیوں میں اُلجھی ہُوئی ہے۔

اٹھارویں اور انیسویں صدی میں سائنس کی ترقیات نے سرکشی اور بغاوت کو جنم دیا ہے۔ بغاوت کلیسا سے اور سرکشی خداوندِ کلیسا سے وہ کلیسا جو سائنس دانوں کو آگ میں جلاتا اور مفکرین کو سزائیں دیتا تھا، غرض کلیسا کے ظلم وستم کے نتیجہ میں جو سرکش بغاوت اُبھری اُس نے کچھ بھی باقی نہیں چھوڑا۔ اور سب کچھ پامال کرتی چلی گئی۔

اگرچہ سائنس دان اب پھر اللہ کی طرف لوٹ رہے ہیں، اور فطرتِ سلیمہ جو جاہلیت کی وادیوں میں بھٹک بھٹک کر تنگ آ چکی ہے، دوبارہ اللہ کی جانب رجوع کر رہی ہے۔ مگر فتنہ ابھی تک بہت شدید ہے۔ اور شاید بھٹکی ہوئی انسانیت کے راہِ راست پر آنے کی علامات پوری طرح واضح ہونے میں یہ صدی بھی پوری ہو جائے!

توسیعِ عالم کی غلط بنیاد

سائنسی ترقیات اور تیز رفتار رسل ورسائل کے ذرائع نے آج دُنیا کی وسعتوں میں حیرت انگیز اضافہ کر دیا ہے۔ اور سائنسی علوم وفنون اور ثقافت نے انسان کے ذہن وشعور کو ستاروں کی بلندی تک پہنچا دیا ہے۔

اگر توسیعِ عالم کی اساس خالقِ کائنات کی الوہیت اور عبودیت ہوتی۔ اور یہ حقیقت ہوتی، کہ اُسی نے انسان کو پیدا فرما کر اُسے زمین میں

اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ اور اُسے ایک ذمہ دار اور آخرت میں جواب دہ وجود قرار دیا ہے۔ تو دُنیا کی وسعتیں، سائنسی ترقیات اور تہذیبی آسائشات —— ایمان کی زیادتی اور اس کی وسعت میں مددگار بن جائیں! مگر چونکہ توسیع عالم کی بنیاد کلیسا سے فرار اور خداوند کلیسا سے بغاوت بنی ہے، اسلئے توسیع عالم اللہ کے راستے میں ایک زبردست رکاوٹ بن گئی ہے!

ہر چند کہ انسانیت مادیت کی یلغار اور تہذیب جدید سے اُکتا چکی ہے اور اِس تہذیب کے نتائج —— فساد، بے راہ روی، اعصابی اور نفسیاتی امراض، اور جنسی کج روی کی شکل پُوری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ اور ساری انسانیت میں سرایت کر گئے ہیں۔

مگر پھر بھی انسانیت، جنون سگ گزیدگی کا شکار بادلوں کی طرح انہی راہوں پہ دوڑ رہی ہے۔ ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھا رہی ہے۔ مگر سنبھلتی نہیں ہے۔ اور شاید یہ صدی پُوری ہی گزر جانے کے بعد سنبھلنے کے آثار ظاہر ہوں۔

تحریکِ اسلامی کے راستے میں رکاوٹیں

قدیم جاہلیتیں بدویانہ زندگی سے زیادہ قریب ہوا کرتی تھیں۔ اس لئے ان میں بدویانہ سختی اور تندی بھی ہوتی تھی۔ اور اخلاق و روایات بھی —— پھر اس تیزی اور تندی کے لحاظ سے اسلام اور جاہلیت کی کش مکش بھی تند و تیز ہوا کرتی تھی، مگر یہ جنگ واضح اور کھلم کھلا

ہوتی تھی۔ اور کفر و ایمان میں معرکہ برابر ہوا کرتا تھا۔ اس وقت فطرتِ سلیمہ زنگ آلود نہیں ہوتی تھی۔ اکثر و بیشتر اسلام کی پکار سنتی اور لبیک کہتی تھی جاہلیت اور اسلام کی اس قسم کی کش مکش میں تحریک اسلامی کو خواہ کتنی ہی دُشواریاں پیش آئیں، مگر یہ دشواریاں بہرحال بے توجہی، تمسخر اور استہزاء سے کم ہوتی ہیں۔!

مگر آج کی انسانیت اگر ایک طرف بے توجہی، تمسخر اور استہزاء کی روش پر چل رہی ہے۔ تو دوسری جانب نفاق کینہ اور خبیث حیلوں کی راہ پر گامزن ہے۔

اور یہ سب دعوتِ دین کے راستے میں رکاوٹیں ہیں اور دین پر استقامت کے باب میں حقیقی دشواریاں ہیں۔

سامانِ سفر

تحریکِ اسلامی کے کارکنوں کو یہ رکاوٹیں مدِنظر رکھ کر "سامانِ سفر" تیار کرنا چاہیے۔ اور تحریک اسلامی کا "سامانِ سفر"، تقویٰ، اللہ کی حقیقت کا بھرپور شعور، اللہ سے براہِ راست تعلق اور اللہ کے وعدۂ نصرت پر کامل یقین ہے۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ (روم ۴۷)

ہم پر لازم ہے۔ مؤمنین کی مدد کرنا۔

انقلاب، کے برپا ہونے کے لئے۔ ایک زبردست اور طاقتور اسلامی تحریک کی ضرورت ہے۔ ایسی تحریک جو صرف اللہ پر اعتماد رکھتی ہو،

اور اس کی مرضی کو اپنی مرضی سمجھتی ہو۔ پھر یہ تحریک اللہ کی مقرر کردہ سنت پر چلتے ہوئے فطرت سلیمہ کو جاہلیت کی گرد و غبار سے صاف کرے، اور اس امر کی جدوجہد میں لگی رہے کہ روئے زمین پر اللہ کا حکم جاری ہو جائے اس کا حکم بلند ہو، اور اس کا قانون جاری و ساری ہو۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ هَٰذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ۔

(آلِ عمران ۱۳۷ - ۱۴۱)

تم سے قبل مختلف طرق گزر چکے ہیں۔ تو تم روئے زمین پر چلو پھرو اور دیکھ لو انجام تکذیب کرنے والوں کا۔
یہ بیان کافی ہے۔ تمام لوگوں کے لئے، اور ہدایت و نصیحت ہے۔ خاص خدا سے ڈرنے والوں کے لئے۔ اور تم ہمت مت

ہارو، اور رنج مت کرو، اور غالب تم ہی رہو گے۔
اگر تم پورے مومن رہے۔ اگر تم کو زخم پہنچ جاوے۔ تو اس قوم کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے۔ اور ہم ان ایام کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہا کرتے ہیں، اور تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لیویں، اور تم میں سے بعضوں کو شہید بنانا تھا، اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ اور تاکہ میل کچیل سے صاف کردے۔ ایمان والوں کو اور مٹا دیوے کافروں کو ؛

● ـــ اسلامی انقلاب کے برپا ہونے کا ہمیشہ ایک ہی طریقہ رہا ہے۔ اور آج بھی اسلام اسی طرح برپا ہو سکتا ہے، کہ وقت کی تمام مادی، فنی اور سائنسی طاقتوں سے مسلح ایک انتہائی طاقتور اسلامی تحریک، اُٹھے، جو صرف اللہ پر اعتماد رکھتی ہو، اور اُس کی مرضی کو اپنی مرضی گردانتی ہو ـــ پھر یہ تحریک اللہ کی مقرر کردہ سُنّت پر چلتے ہوئے فطرت سلیمہ کو جاہلیت کی گرد و غبار سے پاک صاف کرے۔ اور اپنے تن، من، دھن سے ہر وقت اسی جدوجہد میں لگی رہے، کہ پوری روئے زمین پر ایک اللہ کا حکم جاری ہو، اسی کا کلمہ بلند ہو، اور اسی کا قانون جاری و ساری ہو۔

ـــ سید قطب رحؒ ـــ

اُسلام اِنسانیت کی ضرورت، فطرت کی جبریت اور وقت کی پکار ہے۔ اسلام کے ظہور کے اسباب تمام رکاوٹوں سے زیادہ طاقت ور ہیں۔ اسلام کے ظہور کے اسباب پُر فنون صیہونیت اور صلیبی سامراج سے زیادہ طاقت ور ہیں

ایک اسلامی معاشرہ ضرور قائم ہو کر رہے گا، اگر آج نہیں تو کل ضرور ہوگا، اور اگر یہاں برپا نہیں ہوتا، تو کسی اور مقام پر ظہور میں آئیگا

"انسانیت کسی ایسے ضابطۂ زندگی کو تسلیم نہیں کیا کرتی، جو سُنا سنایا ہو، جسے لوگ سنا تو سکتے ہوں، مگر دکھا نہ سکتے ہوں انسانیت اُسی اسلوب زندگانی کو اپنایا کرتی ہے۔ جو زندہ و متحرک۔ اپنی جیتی جاگتی شکل میں، عملاً انسانوں کی ایک جماعت میں جلوہ گر ہو، اور اپنے ماننے والوں کی سوسائٹی میں اس طرح چلتا پھرتا ہو، کہ ہر آنکھ اُسے دیکھ سکے۔

انسانیت اِسلام کو اسی وقت اپنا سکتی ہے۔ جب وہ اپنے پُورے اور اصلی خدوخال کے ساتھ دُنیا کے کسی خطّے میں موجود ہو، اور انسانوں کا ایک گروہ اپنی سماجی اور شہری زندگی میں اسے برت رہا ہو۔"

سید قطب رحمۃ اللہ علیہ